من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

حصہ دوم

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)

خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : فقہی ضوابط (تشریحات، تفریعات، تمثیلات)

تالیف : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)
خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

طباعت : محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

باہتمام : قاسم احمد پالن پوری 09997866990

کتابت : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)
09979993070

ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند

مطبوعہ : ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

MAKTABA HIJAZ
Urdo Bazar Jama Masjid Deoband
247554 (U.P.) India M.09997866990

گجرات میں ملنے کا پتہ: مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)
دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور-09979993070

فہرست مضامین

فہرست ضوابط وفوائد

یہ ایک تفصیلی فہرست ہے، جس میں تمام ضوابط اوران پر متفرع ہونے والے اہم مسائل وفوائد کا استقراء کیا گیا ہے۔ البتہ کتاب کے تمام مسائل وتشریح کو ذکر نہیں کیا گیا، کہ اس میں طوالت ہے۔

کتاب البیوع

ضابطہ

خیارات

اقالہ کا بیان

ربا کا بیان

بیع صرف کا بیان

دین اور قرض کا بیان

قمار (جوا) کا بیان

كتاب الإجارة

كتاب الكفالة

کتاب الحوالة

کتاب الوکالة

کتاب الودیعة

کتاب العاریة

کتاب الھبة

نفلی صدقہ کا بیان

کتاب البیوع

عقد بیع اور اس کے متعلقات

۲۵۴- **ضابطہ**: بیع کے لئے دونوں جانب سے مال متقوم ہونا ضروری ہے۔[۱]

تشریح: پس اگر ایک طرف مال ہو اور دوسری طرف کچھ نہ ہو تو بیع نہ ہوگی، بلکہ وصیت یا ہبہ وغیرہ ہوگا، اور اگر ایک طرف مال ہو اور دوسری طرف نفع ہو تو یہ اجارہ ہوگا۔

اور مال کی تعریف ہے: جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور جس کا ذخیرہ کیا جانا ممکن ہو۔ اور مالیت لوگوں کے تمول سے ثابت ہوتی ہے، اور اس میں تقوم شرعا اس کے انتفاع کے مباح ہونے سے ثابت ہوتا ہے۔

پس جو بغیر تمول کے مباح ہے تو وہ مال نہیں جیسے گیہوں کا دانہ اور قلیل مٹی؛ اور جو متمول ہے لیکن اس سے انتفاع مباح نہیں وہ غیر متقوم ہے جیسے شراب اور جہاں دونوں امر معدوم ہوں یعنی نہ متمول ہو اور نہ شرعا اس سے انتفاع مباح ہو وہ نہ مال ہے اور نہ متقوم جیسے خون وغیرہ۔[۲]

---

(۱)..وفی الشرع مبادلة المال المتقوم بالمال المتقوم(تبيين الحقائق: ۱۰/ ۲۲۸)

(۲) المراد بالمال مايميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة اوبعضهم والتقوم يثبت بها أو بإباحة الانتفاع به شرعاًفما يباح بلا تمول لايكون مالا كحبة حنطة ومايتمول بلا إباحة انتفاع لايكون متقوما كالخمر،وإذا عدم الأمران لم يثبت واحداً منهما كالدم(شامی ۷/ ۱۰،الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر :۳/ ۴)

تفریعات:

(۱) پس حقوق مجردہ: جیسے حق شفعہ، حق خلو (پگڑی)، حق تصنیف واشاعت، گڈول یعنی رجسٹرڈ ٹریڈ مارک اور ناموں وغیرہ کی بیع درست نہیں کیونکہ وہ مال نہیں ہے۔ (۱)

البتہ ان حقوق کو کسی عین کے تابع کر کے بیچنا درست ہے، جیسے کسی تصنیف کے مسودہ کو فروخت کیا اور ساتھ میں حق تصنیف کے بھی پیسے لئے (یعنی اس کی وجہ سے مسودہ کی قیمت بڑھادی) تو یہ جائز ہے، اسی طرح دوکان کے ساتھ فرم کا نام بیچ دیا تو یہ جائز ہے، یا دوکان کرایہ پر دی اور پگڑی بھی لی تو یہ درست ہے (کیونکہ وہ پگڑی اجرت معجلہ ہے) (۲) غرض حق محض کو مستقلاً بیچنا جائز نہیں، مگر تبعاً بیچ سکتے ہیں۔ (۳)

(۲) انسان کے اعضا اور خون کی بیع درست نہیں، کیوں کہ وہ مال غیر متقوم ہیں (۴) (البتہ انتہائی مجبوری میں جبکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور مقصود مریض کی جان یا اس کو شدید نقصان سے بچانا ہو تو ضرورتاً علماء نے انسانی خون کے خریدنے کو جائز کہا ہے، لیکن ان کو بیچنا کسی حال میں جائز نہیں کہ بیچنے میں کوئی ضرورت نہیں)

(۳) خنزیر اور شراب کی بیع قطعاً درست نہیں کیونکہ یہ اگر چہ غیر مسلموں کے یہاں مال ہیں، لیکن شرعاً متقوم نہیں۔ (۵)

(۴) مردار جانور کا چمڑا دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں کہ وہ غیر متقوم ہے اور دباغت کے بعد اس سے انتفاع جائز ہے پس اس کی بیع درست ہے (لیکن مذبوحہ جانور کا چمڑا دباغت سے پہلے بھی بیچنا جائز ہے خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔سوائے خنزیر

---

(۱) لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة......الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳۳/۷) (۲) (فتاوی محمودیه: ۱۶/ ۵۸۲ – ۵۸۴) (۳) وکذا بیع الشرب وظاهر الراویة فساده إلا تبعاً. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲۷۱/۷) (۴) (هدایه: ۵۵/۳) (۵) (البحر الرائق: ۱۱۶/۶ باب البیع الفاسد)

اور انسان کے چمڑے کے۔ کیونکہ ذبح مثل دباغت ہے کہ اس سے آلودگی ختم ہوجاتی ہے اور چمڑا قابل انتفاع ہوکر شرعاً متقوم بن جاتا ہے)(۱)

(۵) وہ جانور جس کو کسی مجوسی، مشرک، مرتد یا ناسمجھ بچہ یا پاگل نے ذبح کیا ہو، کی خرید وفروخت جائز نہیں، اسی طرح مسلمان کا ذبیحہ جس پر جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو، یا وہ وحشی جانور جس کو حرم میں شکار کیا گیا ہو، یا محرم نے شکار کیا ہو (خواہ محرم نے شکار حل میں کیا ہو یا حرم میں) کی خرید وفروخت جائز نہیں، کیونکہ ایسا جانور مردار کے حکم میں ہوتا ہے اور مردار شرعاً مال متقوم نہیں ہے۔(۲)

(۶) کتا، چیتا، بندر ہاتھی، شیر، بھیڑیا اور تمام قسم کے درندے یہاں تک کے بلی اور ہر قسم کے پرندوں کی خرید وفروخت جائز ہے، سوائے خنزیر کے، کیوں کہ خود ان جانوروں سے یا ان کی کھال یا ہڈی وغیرہ سے نفع اٹھایا جاتا ہے، پس یہ شرعاً مال متقوم ہیں۔(۳)

(۷) ہڈی کی بیع جائز ہے خواہ ہڈی گیلی ہو یا سوکھی اور جانور مذبوحہ ہو یا غیر مذبوحہ،

---

(۱)وهذا بناء على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة أو الدباغ إلا جلد الإنسان والخنزير وإذا طهرت بالدباغ أ وبالذكاة جاز الإنتفاع به ويكون محلاً للبيع (المحيط البرهاني: ۳۰۲/۷،فی بیع المحرمات. كذافى البحر الرائق: ۱۳۳/۶ باب البيع الفاسد)

(۲)ولم ينعقد بيع ماليس بمال متقوم كبيع الحر.....والميتة والدم وذبيحة المجوسي والمرتد والمشرك والصبي اللذى لايعقل والمجنون ومذبوح صيد المحرم سواء كان من الحل أوالحرم ومذبوح صيد الحرم(البحر الرائق:۵/ ۴۳۴)

(۳)وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع بسائر أنواعها حتى الهرة، وكذا الطيور سوى الخنزير—وهو المختار—للانتفاع بها وبجلدها (الدرالمختار: ۷/ ۴۷۸، دررالحكام شرح غررالأحكام :۶/ ۳۹۶) والحاصل ان المتون على جواز بيع ماسوى الخنزير مطلقاً(شامی: ۴۷۹/۷)

حلال ہو یا حرام؛ سوائے خنزیر اور انسان کی ہڈی کہ وہ غیر متقوم ہے۔[1]

(۸) گوبر (جانوروں کا فضلہ) کی بیع درست ہے اگر چہ مٹی بن جانے سے پہلے ہو، کیونکہ وہ کھیتی میں کھاد کا کام دیتا ہے اور لوگوں میں اس کا تعامل ہے، پس یہ مال متقوم ہو گیا۔[2]

(۹) انڈا خریدا اور وہ گندا نکلا تو مشتری بائع سے قیمت واپس لے سکتا ہے، کیونکہ ایسا انڈا مال نہیں ہے جس کی وجہ سے بیع باطل رہی۔ پس بائع کو (جبکہ مشتری مطالبہ کرے) قیمت واپس کرنا ضروری ہے (مگر مشتری معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں وہ اس کا حق ہے)

یہی حکم تربوز، خربوزہ، ناریل، اخروٹ وغیرہ کا ہے جبکہ بالکل ہی بے کار نکلے یعنی وہ مال نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پوری قیمت مشتری واپس لے سکتا ہے۔ البتہ تربوز پھیکا نکلا تو قیمت واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ وہ مال متقوم ہے، بیع باطل نہیں ہوئی۔ مگر یہ کہ بائع قیمت واپس کر دے تو حرج نہیں کہ وہ اپنا حق ساقط کر سکتا ہے ـــــــ لیکن اخروٹ، ناریل وغیرہ کچھ عیب دار نکلے یعنی سارا خراب نہ ہو تو جس قدر عیب کی وجہ سے نقصان ہوا مشتری کو اتنی قیمت واپس لینے کا حق ہوگا۔ لیکن ناریل وغیرہ کو زبردستی واپس کر کے پوری قیمت نہیں لے سکتا کیونکہ اس کو توڑنے کی وجہ سے اس میں اس نے ایک نیا عیب پیدا کر دیا یہی حکم کپڑے کا ہے کہ اس کو کاٹنے کے بعد عیب دار ہونا معلوم

---

(۱)المحیط البرهانی: ۷/ ۳۰۲،هدایه :۳/۵۵)

(۲)ویکره بیع العذرة خالصة وجاز لو مخلوطة وجاز بیع السرقین مطلقاً فی الصحیح عندنا لکونه مالا منتفعاً به لتقویة الأرض فی الانبات. (مجمع الأنهر: ۳/۲۱۱—المحیط البرهانی:۷/۳۰۲) بل یصح بیع السرقین أی الزبل (درمختار)قوله (أی الزبل)وفی الشرنبلالیة:هو رجیع ماسوی الإنسان(شامی : ۹/۵۵۲، کتاب الحظر و الإباحة)

ہوا، یعنی نقصان عیب واپس لے گا نہ کہ پوری قیمت۔ (۱)

۲۵۵- **ضابطہ**: بیع کی صحت کے لئے جانبین سے رضامندی ضروری ہے (ورنہ بیع فاسد ہوگی) (۲)

تفریعات:

(۱) پس اکراہ (یعنی ڈرانے دھمکانے سے) بیع درست نہ ہوگی، جیسے کسی کو کہا مجھے یہ چیز بیچ دے یا مجھ سے خرید لے ورنہ جان لے لوں گا یا تیرا فلاں نقصان کردوں گا، اس نے ڈر کے مارے قبول کرلیا تو اس طرح بیع صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اس میں مکرہ کی طرف سے رضامندی نہیں پائی گئی ہے۔ (۳)

(۲) اسی طرح اگر ہنسی مذاق میں بیع کی اور حقیقت میں بیع مراد نہ ہو تو اس سے بھی بیع صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اس میں ظاہراً تو بیع ہے، لیکن حقیقتاً اس عقد پر رضامندی نہیں پائی جارہی ہے۔

لیکن یاد رہے ہزل (یعنی ہنسی مذاق) میں بیع کرنیکی صورت میں کلام میں اس ہزل کی صراحت ضروری ہے مثلاً ہم دونوں ویسے ہی بیع کررہے ہیں، یا مذاقاً بیع کررہے ہیں وغیرہ، محض دلالت حال کافی نہ ہوگا، ورنہ بیع صحیح ہوجائے گی۔ ہاں مگر یہ صراحت عقد میں ضروری نہیں، عقد سے پہلے بھی کافی ہے، جیسے کہا: ہم دونوں لوگوں کے سامنے تو بیع کریں گے، لیکن حقیقت میں ہمارے درمیان بیع نہ ہوگی، جیسا کہ گاہکوں کو مائل کرنے کے لئے فراڈی لوگ کیا کرتے ہیں، پس ان کی بیع ''بیع ہزل'' ہے جو

---

(۱) ومن اشترى بيضاً أو بطيخاً أو قثاءً أو خياراً أو جوزاً فكسره فوجده فاسداً فإن لم ينتفع به رجع بالثمن كله، لأنه ليس بمال فكان البيع باطلاً ..وإن كان ينتفع به مع فساده لم يرده لأن الكسر عيب حادث ولكنه يرجع بنقصان العيب. (هدايه :۳/۴۳) (۲) (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ۱۸) (۳) قدمنا أن بيع المكره فاسد. (شامي: ۷/ ۱۹)

فاسد ہے۔[1]

فائدہ: رضامندی بیع کی صحت کے لئے شرط ہے، انعقاد بیع کے لئے نہیں، پس مکرہ اور ہازل کی بیع فاسد ہو کر منعقد ہوتی ہے۔

دوسری بات کہ: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے مگر ہازل کی بیع اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے، گویا ہازل کی بیع حکماً باطل ہے۔[2]

۲۵۶- ضابطہ: اکثر عقود (معاملات) میں معانی کا اعتبار ہے الفاظ کا نہیں[3]

تشریح: عقود کی قید سے طلاق اور عتاق سے احتراز ہو گیا کیوں کہ ان میں لفظ معنی کے قائم مقام ہوتا ہے پس ان میں الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔

اور ضابطہ میں ''اکثر'' کی قید اس لئے کہ بعض عقود الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں، اس کے بغیر وہ منعقد نہیں ہوتے، جیسے مفاوضہ (یہ شرکت کی ایک قسم ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں لفظ مفاوضہ کا استعمال ضروری ہے)[4]

---

(۱) وشرطه أی شرط تحقق الهزل واعتباره فی التصرفات أن يكون صريحاً باللسان مثل أن يقول : إنی أبيع هازلاً، ولايكتفی بدلالة الحال، إلا أنه لايشترط ذكره فی العقد ،فيكفی أن تكون المواضعة سابقة على العقد، فإن تواضعاً على الهزل بأصل البيع :أی توافقاعلى أنهما يتكلمان بلفظ البيع عند الناس ولايريد انه واتفقا على البناء:أی على أنهما لم يرفعا الهزل ولم يرجعا عنه فالبيع منعقد لصدوره من أهله فی محله لكن يفسد البيع لعدم الرضا بالحكم(شامی: ۷/ ۹ ۱)

(۲) إذا قبض المشتری المبيع بيعاًفاسداً ملكه إلا فی مسائل :الأولى لايملكه فی بيع الهازل كمافی الأصول. (الأشباه والنظائر: ۱۷۵)(۳)(هدايه :۳/ ۱۸)

(۴)(والمعنى هو المعتبرفی العقود)أی فی هذه العقود الشرعية. واحترز به عن الطلاق والعتاق فإن اللفظ فيهما يقام مقام المعنى، ولاخلاف فيه للأئمة ←

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی نے کہا: یہ گھر میں نے تمہیں اتنے روپے کے عوض ہدیہ میں دیا، دوسرے نے قبول کرلیا تو یہ بیع ہوگی، نہ کہ ہدیہ۔ کیونکہ ہدیہ بالعوض بیع کہلاتا ہے۔ پس اس میں ظاہری الفاظ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ معنی کا اعتبار ہوگا اور معناً یہ بیع ہے۔

پس اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً اس کا کوئی پڑوسی ہے تو اس کو حق شفع کی وجہ سے مطالبہ کا حق رہے گا، اسی طرح اگر مبیع میں کوئی عیب نکل آئے تو مشتری کو عیب کی وجہ سے لوٹانے کا حق ہوگا، برخلاف ہدیہ کے کہ ان میں یہ چیزیں ثابت نہیں ہوتیں۔

(۲) اسی طرح جب عاقدین کی رضامندی پائی جائے اور وہ مبیع اور ثمن پر بغیر کچھ الفاظ کہے قبضہ کرلیں تو بیع صحیح ہوجائے گی، جیسے کوئی شخص کسی دکان پر گیا اور وہاں سے کوئی چیز اٹھائی اور اس پر جو قیمت لکھی ہوئی تھی یا اس کی عام قیمت جو رائج تھی وہ دکاندار کے حوالہ کردی اور دکاندار نے اس کو لیتے ہوئے رضامندی ظاہر کردی، اور منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا اور نہ خریدار نے کچھ کہا تو یہ بیع درست ہے، کیوں کہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو بیع بالتعاطی کہتے ہیں، اور اس کا وقوع بکثرت ہے۔

۲۵۷- **ضابطه**: تفرق صفقہ (عقد میں تفریق) بیع کے جواز کے لئے مانع ہے، مگر یہ کہ مخاطب اس پر راضی ہوجائے تو یہ جدید عقد ہوگا اور درست ہوگا۔ [1]

تشریح: صفقہ کا معنی ہے ''بیع میں ہاتھ کو ہاتھ پر مارنا'' پھر نفس عقد پر اس کا

← الأربعة. وفی الإ یضاح هذا أصل لنا فی جمیع العقود إلا ماروی عن أبی حنیفة أن المفاوضه لاتنعقد إلا بلفظ المفاوضة .. الخ (البنایة فی شرح الهدایه ۱۲/۷-۱۳:)

---

(۱) ..لئلایلزم تفریق الصفقة إلاإذا أعاد الإیجاب والقبول أو رضی الآخر. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۴۵/۷)

اطلاق ہونے لگا۔ تفرق صفقہ کا مطلب ہے عقد میں تفریق کرنا، اس کی متعدد صورتیں ہیں، مثلاً:

۱- بائع نے کہا میں نے یہ چیز دس روپے میں بیچی، مشتری نے کہا میں نے آٹھ روپے میں خریدی تو یہ تفرق صفقہ ہے، اس سے بیع نہ ہوگی۔ مگر یہ کہ بائع آٹھ میں رضامندی کا اظہار کر دے تو یہ جدید عقد ہوگا اور درست ہوگا۔ (۱)

۲- اسی طرح اگر مشتری کی جانب سے ایجاب ہو یعنی وہ کہے میں نے یہ چیز دس میں خریدی، اور بائع کہے میں نے بارہ میں بیچی تو بھی یہی حکم ہوگا۔ (۲)

۳- ایک شخص نے کہا میں نے یہ قلم اور کاپی دس روپئے میں بیچی۔ دوسرے نے کہا میں نے صرف یہ کاپی پانچ روپئے میں خریدی تو یہ بھی تفرق صفقہ ہے اور بیع درست نہیں۔ کیونکہ بیچنے والا ان دونوں چیزوں کو ایک ساتھ بیچنا چاہتا ہے اور خریدار اس کا ایک حصہ خرید رہا ہے، تو اس طرح بیچنے والے کو یہ چیز متفرق طور پر بیچنی پڑے گی (مگر یہ کہ بیچنے والا خریدار کی بات پر رضامندی کا اظہار کر دے تو یہ دوسرا عقد ہوگا اور درست ہوگا) (۳)

استدراک: لیکن اگر کہا میں نے یہ قلم اور کاپی دس روپے میں بیچی (یعنی دونوں کی الگ الگ قیمت بیان نہیں کی بلکہ مجموعی دس روپے کہا) اور دوسرے نے کہا میں نے صرف یہ کاپی خریدی اور ثمن کا ذکر نہیں کیا تو یہ بیع درست نہیں، اگر چہ اس میں بائع رضامندی کا اظہار کر دے، کیونکہ یہاں ثمن مجہول رہے گا، اور کاپی اور قلم دو الگ الگ چیزیں ہیں، اجزاء کے اعتبار سے ثمن ان پر منقسم بھی نہیں کیا جا سکتا، جس طرح مکیلی یا موزونی چیزوں پر ثمن منقسم کیا جاتا ہے، کہ اگر ایک کلو کا ثمن بیان کیا تو اجزاء پر منقسم ہو کر آدھی کلو کا ثمن خود بخود متعین ہو جاتا ہے ـــــ پس یہ تفرق صفقہ کی وہ صورت ہے جس

(۱)(البحر: ۵/۴۴۸) (۲)(هندیه: ۳/۱۴)

(۳)(شامی: ۷/۴۵ – البحر: ۵/۴۴۸)

میں دوسرے کی رضامندی کے باوجود بیع صحیح نہیں ہوتی (ہاں اگر کاپی کا علاحدہ ثمن ذکر ہوجائے اور پھر رضامندی بھی پائی جائے تو اب یہ نیا عقد ہوکر بیع صحیح ہوجائے گی)[1]

۲۵۸- **ضابطہ**: مبیع اور ثمن میں اعتبار اس کا ہوگا جس پر عقد واقع ہوا ہے، اگرچہ بائع یا مشتری اس کو کم یا زیادہ خیال کرے۔[2]

جیسے:

(۱) مشتری نے اپنے گمان کے مطابق ۲۴/انڈے گن کر ایک تھیلی میں الگ کیے، پھر عقد ان الگ کردہ انڈوں پر ہوا اور عدد کا کوئی ذکر نہیں کیا نہ عقد کے وقت اور نہ عقد سے پہلے، بلکہ کہا یہ جس قدر بھی ہے ۵۰/روپے میں خریدے، پھر ظاہر ہوا کہ یہ تو ۲۴/ کے بجائے ۲۵/ ہے تو وہ زائد مشتری کیلئے حلال ہے۔ کیونکہ اعتبار اس کا ہوتا ہے جس پر عقد واقع ہوا ہے اور عقد تھیلی میں موجود تمام ۲۵/انڈوں پر ہوا ہے نہ کہ مشتری کے خیال کردہ ۲۴/ پر[3] —— (لیکن اگر عدد کا ذکر ہوجائے اور عقد اس معین عدد پر ہو تو پھر زائد مشتری کے لئے حلال نہ ہوگا، اور کم کی صورت میں بائع کو اسی قدر ثمن کی واپسی لازم ہوگی)

(۲) گیہوں کا بھاؤ تاؤ کیا اور یہ طے ہوا کہ اس ڈھیر میں سے ہر من ۳۰۰ روپے میں، اور ہمارے شمار کے حساب سے ۳۰۰۰/ہزار کے گیہوں ہیں یعنی دس من ہیں۔ پھر

---

(۱)......إلا إذا أعاد الإيجاب والقبول أو رضى الآخر وكان الثمن منقسماً على المبيع بالأجزاء كمكيل و موزون ،وإلالا، وإن رضى الآخر (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ٤٦) (۲) المعتبر ماوقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشتري أنه أقل أو أكثر. (شامی :۷/۶۹)

(۳) في القنية: عدّ الكواغد فظنها أربعة وعشرين وأخبر البائع به ثم أضاف العقد إلى عينها ولم يذكر العدد ثم زادت على ماظنه فهي حلال للمشتري . (شامی :۷/۶۹)

جب مشتری نے شمار کیا تو ۲۷۰۰/روپے کے گیہوں نکلے یعنی کل ۹ من۔ اب بائع نے اس کو ۲۷۰۰ میں دیدیا (یعنی چلو یہ سب ۲۷۰۰/میں لے جاؤ) بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ کچھ کم تھے یا زیادہ تھے تو کچھ اعتبار نہیں۔ مشتری کے لئے وہ زیادتی اور کم کی صورت میں بائع کے لئے وہ ثمن حلال ہے۔ کیونکہ اب عقد اس متعین ڈھیر پر ہوا ہے، متعین حساب پر نہیں۔[1]

(۳) بائع نے چار چیزوں کو الگ کیا اور کہا کہ یہ سب پانچ روپے میں ہیں، ہر چیز سوا روپے میں۔ مشتری نے چار روپے نکال کر کہا یہ جس قدر روپے ہیں اتنے میں میں نے خریدا (حالانکہ بائع پانچ روپے سمجھ رہا ہے) تو بیع صحیح ہے۔ کیونکہ عقد چار روپے پر ہوا ہے چنانچہ مشتری نے کہا تھا کہ یہ جس قدر ہے اتنے میں خریدا اور بائع نے اس کو قبول بھی کرلیا تھا تو اب اس کے زیادہ سمجھنے کا اعتبار نہ ہوگا۔[2]

۲۵۹- **ضابطہ**: بیع میں توقیت صحیح نہیں، مطلق ہونی چاہئے۔[3]

تشریح: یعنی ایک معین وقت تک کیلئے بیچنا مثلاً میں دس سال تک کے لئے بیچتا ہوں تو یہ جائز نہیں، مطلق (بلا تعیین مدت) بیع کا ہونا ضروری ہے۔

(البتہ اتنی لمبی مدت بیان کی جس میں عام طور پر انسان زندہ نہیں رہتا مثلاً کہا: دوسو سال تک کے لئے بیچا تو یہ تابید کے حکم میں ہوگا اور بیع صحیح ہوجائے گی۔ پھر اس قید کا

(۱) فی القنية :ساومه الحنطة كل قفيز بثمن معين وحاسبوا فبلغ ستمائة درهم فغلطوا وحاسبوا المشترى بخمسمائة، وباعوها منه بالخمسمائة؛ ثم ظهر أن فيها غلطاً لايلزمه إلا خمسمائة .(شامی : ۶۹/۷)

(۲) فی القنية : ...أفرز القصاب أربع شياه، فقال بائعها هی بخمسمائة كل واحدة بدينار وربع ،فجاء القصاب بأربعة دنانير فقال: هل بعت هذه بهذا القدر والبائع يعتقد أنهاخمسة صح البيع .(شامی :۶۹/۷)

(۳) ومنها أن لايكون موقتا، فإن أقته لم يصح .(هنديه :۳/۵ شامی : ۱۵/۷)

کوئی اعتبار نہ ہوگا بیع ہمیشہ کے لئے ہوجائے گی)[۱]

تفریع: اسی بنا پر بیع بالوفاء جائز نہیں۔اور بیع بالوفاء یہ ہے کہ مثلاً کسی نے پانچ سو (۵۰۰) روپے میں کوئی چیز بیچی اور یہ قرار کیا کہ جب میرے پاس اتنی رقم آجائے گی تو میں اتنے ہی میں تم سے وہ چیز واپس خرید لوں گا ،مشتری نے اس کو قبول کرلیا تو یہ درست نہیں، کیونکہ اس میں توقیت ہے،جبکہ بیع کا مطلق ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: اس بیع میں اصل مقصد بائع کا مشتری سے پانچسو روپے قرض لینا ہے، لیکن مشتری جب تک اپنا کچھ فائدہ حاصل نہ ہو قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا،اب اگر وہ قرض دے کر اس کے پاس سے کوئی چیز بطور رہن لیتا ہے تو اس رہن سے وہ نفع نہیں اٹھا سکتا کیونکہ رہن سے نفع اٹھانا سود کے حکم میں ہے،اس لئے یہ دونوں حیلہ کر کے اس معاملہ کو بیع کے عنوان سے کرتے ہیں۔علامہ شامیؒ نے جواہر الفتاویٰ کے حوالہ سے بواسطہ حاشیہ فصولین نقل کیا ہے کہ یہ بیع باطل ہے اور مشتری کے پاس جو مبیع ہے وہ رہن ہے،اسی طرح فتاویٰ خیریہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک یہ رہن ہی ہے اس پر رہن کے سب احکام جاری ہونگے۔پس مشتری کے لئے اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں ہے۔[۲]

معدوم کی بیع

۲۶۰-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو حقیقتاً یا عرفاً معدوم ہو اس کی خرید وفروخت

---

(۱) التاقيت إلى مدة لايعيش الإنسان غالباً تابيد.(قواعدالفقه:٦٨، قاعده: ٧٣)(٢)......وفی حاشية الفصولين عن جواهر الفتاویٰ:هوأن يقول بعت منك على أن تبيعه منى متى جئت بالثمن فهذا البيع باطل وهورهن، وحكمه حكم الرهن وهو الصحيح اھ...... قال فی الخيرية: والذی عليه الأكثر أنه رهن لايفترق عن الرهن فی حكم من الأحكام .(شامی :٧/ ٥٤٥-٥٤٦)

درست نہیں (مگر استصناع اور بیع سلم مستثنیٰ ہے، کہ ان میں معدوم کی بیع جائز ہے)[1]

جیسے:

(۱) پھل جو ابھی درخت پر نہ نکلے ہوں کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

(۲) کمپنی کا پروڈکٹ جو ابھی تیار نہ ہوا ہو کی بیع جائز نہیں (مگر آرڈر دینا جائز ہے، کہ وہ بیع نہیں) یہ دونوں مثالیں حقیقتاً معدوم کی ہیں۔

عرفاً معدوم ہونا جیسے:

(۳) جانور کے تھنوں کا دودھ، اس میں سے نکالنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۴) زیتون کا تیل زیتون میں سے نکالنے سے پہلے، اسی طرح انگور کا رس انگور میں سے نکالنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۵) گیہوں کا آٹا گیہوں پیسنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۶) خربوزہ وغیرہ کا بیج اس میں سے نکالنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۷) جانور کا گوشت یا کھال جانور ذبح کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

ان تمام صورتوں میں مبیع عرفاً معدوم ہے۔ تھن کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ دودھ ہے، زیتون کے پھل کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ تیل ہے، اسی طرح گیہوں پر آٹا، یا خربوزہ پر بیج، یا جانور پر گوشت یا کھال کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پس یہ عرفاً معدوم ہوا۔[2]

---

(۱)(مستفاد شامی: ۷/ ۹۲ - ۲۵۱-۲۵۲)

(۲)وإنما بطل مافی ثمر وقطن وضرع من نوی وحب ولبن ،لأنه معدوم عرفاً (الدر المختار)......وبما ذکرنا یخرج الجواب عن امتناع بیع اللبن فی الضرع، واللحم والشحم فی الشاة، والإلیية والأكارع والجلد فیها، والدقیق فی الحنطة، والزیت فی الزیتون، والعصیر فی العنب، ونحو ذالك حیث لایجوز، لأن كل ذالك منعدم فی العرف،لایقال :هذا عصیر ،وزیت فی محله وكذا الباقی (شامی: ۷/ ۹۲)

استثناء: مگر گھریلوں ضرورت کی وہ چیزیں جسے لوگ عادتاً دکاندار سے بلاعقد لیتے رہتے ہیں پھران اشیاء کو استعمال کے بعد آخر میں ان کی بیع کرتے ہیں یہ معاملہ صحیح ہے (اس کو بیع بالاستجرار کہتے ہیں) اگرچہ اس صورت میں بوقت بیع مبیع معدوم ہوتی ہے، لیکن استحساناً فقہانے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (۱)

اسی طرح ماہانہ قیمت مقرر کرکے ہوٹل سے لوگ جو کھانا خریدتے ہیں یا وہاں جاکر کھاتے ہیں تو اس میں بھی اگرچہ بوقت عقد مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر استحساناً جائز ہے۔ (۲)

فائدہ: ضابطہ میں استصناع اور بیع سلم کا استثناء کیا گیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی تفصیل سامنے آجائے۔

بیع سلم کہتے ہیں "بیع الآجل بالعاجل" یعنی ادھار کو نقد کے عوض بیچنا، اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے لیکن یہ بیع چند شرائط کے ساتھ مستثنیٰ ہے (بیع سلم سے متعلق مزید معلومات کے لئے "باب السلم" اور اس سے متعلق آخر کتاب میں شجرہ کو ملاحظہ فرمائیں)

اور استصناع کہتے ہیں: آرڈر دے کر کوئی چیز بنوانا، اس میں مشتری کسی تیار کنندہ (مینوفیکچرر) کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ وہ متعین چیز بنا کردے، اس کی صحت کے لئے شرط ہے کہ مبیع کی نوع، مقدار، وصف وغیرہ مکمل بیان کردیا جائے، نیز قیمت بھی طے کرلی

---

(۱) ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة مافي القنية :الأشياء اللتى تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم اشتراها بعد ماانعدمت صح اھ فيجوز بيع المعدوم هنا (البحر الرائق :٥/٥٠٤) ومايستجرّه الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحساناً.(شامي : ٧/ ٣٠)

(۲)(فتاویٰ دار العلوم: ١٤/ ٤٠٥)

جائے تاکہ نزاع کا اندیشہ نہ ہو۔اور جب تک تیار کنندہ (بائع) اپنا کام شروع نہ کردے یہ بیع غیر لازم ہوتی ہے، اس سے پہلے عاقدین میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

پس استصناع کی اس نوعیت کے پیش نظر استصناع اور سلم میں مندرجہ ذیل وجوہات سے فرق ہوگا:

(۱) استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جسے تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم ہر چیز کی ہو سکتی ہے خواہ اسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

(۲) سلم میں پوری قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری ہے، جبکہ استصناع میں یہ ضروری نہیں۔

(۳) عقد ہو جانے کے بعد سلم کو فسخ نہیں کیا جا سکتا، جبکہ استصناع سامان کی تیاری شروع کرنے سے پہلے یک طرفہ منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) مبیع کی سپردگی کا کوئی وقت مقرر کرنا سلم میں ضروری ہے جبکہ استصناع میں سپردگی کا وقت مقرر کرنا ضروری نہیں۔ (۱)

۲۶۱-**ضابطہ**: خرید و فروخت کی ہر وہ صورت جس میں عقد (معاملہ) کی تکمیل مشتبہ یا مشکوک ہو جائز نہیں۔ (۲)

جیسے:

(۱) ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو بیچنا جائز نہیں۔

(۲) حمل کی بیع جائز نہیں۔

---

(۱)(مستفاد: شامی: ۴۷۴/۷-الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳۶۵۰/۵-تاتارخانیة: ۵۱۴/۹-اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ۱۵۵/۵)

(۲)......أن یکون موجوداً فلا ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم کبیع النتاج والحمل ......الخ (ھندیه: ۲/۵)

(۳) سمندر، نہر اور تالاب میں موجود مچھلی کا جب تک اس پر قبضہ نہ ہو بیچنا جائز نہیں (البتہ اگر پانی تھوڑا ہو اور حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو پانی میں بھی مچھلی کی بیع جائز ہے)[۱]

کیونکہ ان تمام صورتوں میں عقد کی تکمیل مشتبہ یا مشکوک ہے۔ ممکن ہے اس کو وہ چیز حاصل نہ ہو، یعنی پرندہ یا مچھلیاں اس کے قبضہ میں نہ آسکے، اسی طرح جانور کے پیٹ میں بچہ نہ ہو بلکہ ہوا سے یا چربی سے پیٹ پھولا ہوا ہو یا واقعی بچہ ہو لیکن مردار پیدا ہو۔

بیع میں جہالت کا بیان

۲۶۲- **ضابطہ**: بیع میں ہر ایسی جہالت جو مفضی الی المنازعۃ ہو وہ اس کے جواز کے لئے مانع ہے اور جو جہالت ایسی نہ ہو وہ مانع نہیں۔[۲]

جیسے:

کسی گھر یا زمین میں سے کچھ گز مثلاً ۲۵ر گز یا ۵۰ر گز غیر متعین طور پر بیچا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ پھر اس کی تعیین میں اختلاف ہوگا، کہ وہ حصہ مشرق کی طرف ہے یا مغرب کی جانب، یا آگے کا ہے یا پیچھے کا۔ مشتری کہے گا مجھے اُس طرف حصہ چاہئے اور بائع کہے گا میں نے اِس جانب سے بیچا ہے۔ (البتہ اگر حصہ مشاع بیچا مثلاً پانچواں حصہ یا دسواں تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ یہ مفضی الی المنازعۃ نہیں، کیونکہ مشتری اس گھر یا زمین کے ہر ہر حصہ میں شریک ہوگا، پھر وہ اپنا حصہ دوسرے کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے)[۳]

---

(۱) (فتح القدیر: ۶/۳۷۵) (۲) ......وهذه الجهالة مفضية إلى المنازعة فيمتنع التسليم والتسلم، وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز، هذا هو الأصل (هدايه: ۳/۲۱) (۳) ومن اشترى عشرة أذرع من مأة ذراع من دار أو حمام فالبيع فاسد عند أبي حنيفةؒ وقالا هو جائز، وإن اشترى عشرة أسهم من مأة سهم جاز في قولهم جميعاً......الخ. (هدايه: ۳/۲۳)

اور اگر جہالت مفضی الی المنازعۃ نہ ہوتو حرج نہیں جیسے:

(۱) گیہوں وغیرہ کا ڈھیر ہو اور اس کی مقدار معلوم نہ ہو کہ کتنے ہیں، لیکن اشارہ سے متعین کردیا کہ میں نے یہ ڈھیر بیچا یا خریدا تو باوجودیکہ اس کی مقدار مجہول ہے. یہ بیع جائز ہے، کیونکہ یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ نہیں ہے۔[۱]

(۲) اسی طرح دو کپڑوں میں سے ایک کو بیچا اس شرط کے ساتھ مشتری کو ان میں سے ایک کے انتخاب میں اختیار ہے تو اگرچہ اس میں بھی جہالت ہے مگر یہ بیع جائز ہے، کیونکہ بائع کا خود اختیار دینے کی وجہ سے اس میں جھگڑے کا اندیشہ نہیں ہے۔[۲]

(۳) کسی متعین برتن کے ناپ سے یا پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہیں (یعنی برتن میں ایک کلو سماتا ہے یا ڈیڑھ کلو اور پتھر ایک کلو کا ہے یا کم زیادہ) بیچنا جائز ہے، کیونکہ یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ نہیں ہے۔ اور مبیع سپرد کرنے سے پہلے اس برتن یا پتھر کا ہلاک ہونا نادر ہے (کہ جھگڑے کی نوبت آوے) اور احکام کا مدار نادر پر نہیں ہوتا ہے ــــــ (البتہ بیع سلم میں یہ معاملہ جائز نہیں، کیونکہ بیع سلم ایک مدت تک مؤخر ہوتی ہے اور اس عرصہ میں یہ برتن اور پتھر کا ہلاک ہونا نادر نہیں، پس اس میں جھگڑے کا امکان ہے)[۳]

۲۶۳- **ضابطہ**: مبیع یا ثمن جب مشار الیہ ہو تو اس میں مقدار و وصف کا جاننا ضروری نہیں، بخلاف غیر مشار الیہ کے کہ اس میں مقدار و وصف کا معلوم ہونا

---

(۱)(شامی: ۵۱/۷)　(۲)(ھدایہ: ۲۱/۳)

(۳)ویجوز بإناء بعینه لایُعرف مقداره وبوزن حجرٍ بعینه لا یُعرف مقداره، لأن الجهالة لاتفضی إلی المنازعة لما أنه یتعجل فیه التسلیم فیندر هلاکه قبله،بخلاف السلم لأن التسلیم فیه متأخر والهلاك لیس بنادر قبله فیتحقق المنازعة (هدایه: ۲۲/۳، الجوهرة النیرة: ۲۳۹/۱)

ضروری ہے۔ [۱]

تشریح: کیونکہ اشارہ تسمیہ سے ابلغ ہے، اس سے شئ متعین ہو جاتی ہے، کسی قسم کی جہالت نہیں رہتی، جیسے بعض اوقات آدمی دکان میں کسی خوبصورت چیز دیکھ کر خرید لیتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ہے کیا چیز! مقدار اور وصف تو کجا، جنس بھی معلوم نہیں ہوتی، لیکن چونکہ اس کو اشارہ سے متعین کر دیا جاتا ہے اس لئے ایسی جہالت مضر نہیں۔ کیونکہ مقدار اور وصف کا جاننا جھگڑے کو دور کرنے کیلئے ہے اور مبیع متعین کر دینے سے جھگڑے کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔

اور اگر اشارہ سے متعین نہیں کیا تو اب مقدار و وصف کا جاننا ضروری ہے، ورنہ بیع فاسد ہوگی، جیسے فون سے کہدیا کہ ایک ہزار روپے کے گیہوں دیدو اور فلاں کے ذریعہ بھیجوادو، اور گیہوں کی مقدار اور وصف بیان نہیں کیا تو یہ بیع فاسد ہے یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ ہے، کہ مشتری زیادہ اور عمدہ کا مطالبہ کرے گا اور بائع اس کے برعکس چاہے گا ــــــ پس مقدار یعنی اتنے کلو یا من، اور وصف یعنی اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ کو بیان کر دینا ضروری ہے۔ یا فون میں کسی کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ خرید کرے، کیونکہ وہ وکیل جب مجلس میں حاضر ہو کر اشارہ سے متعین کر لے گا تو پھر مقدار اور وصف کا جاننا و بیان کرنا ضروری نہیں۔ [۲]

یہ تو مبیع کے متعلق وضاحت تھی۔ ثمن مشار الیہ ہو مثلاً میں نے ان پیسوں کے عوض بیچا جو تمہارے ہاتھ میں ہے اور وہ پیسے دکھائی بھی دے رہے ہیں تو یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ اشارہ سے ثمن متعین ہو گیا، اب اس کی مقدار اور وصف کا جاننا ضروری

---

(۱)(وشرط لصحته معرفة قدر) مبيع وثمن (ووصف ثمن) كمصرى أو دمشقى (غير مشار) إليه (لا) يشترط ذالك فى (مشار إليه)(الد رالمختار على هاهمش رد المحتار: ۵۱/۷ — اللباب فى شرح الكتاب: ۱۹۸/۱)

(۲)(مستفاد: شامی: ۴۹/۷ – ۵۱)

نہیں [۱] اور اگر ثمن غیر مشار الیہ ہو تو اس کی مقدار بیان کر ضروری ہے۔

اوپر ضابطہ سے متعلق ایک ضابطہ بطور خلاصہ یہ بھی ہے جو قواعد الفقہ میں ہے کہ:

۲۶۴- **ضابطہ**: حاضر میں وصف کا اعتبار نہیں اور غائب میں اعتبار ہے۔ [۲]

نوٹ: تشریح اوپر کے ضابطہ کے تحت آ گئی، بیان کی حاجت نہیں۔

۲۶۵- **ضابطہ**: جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہوں تو عقد مختلف الجنس میں مسمی کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور متحد الجنس میں مشار الیہ کے ساتھ۔ [۳]

جیسے انگوٹھی کے نگ کو بیچا اس شرط پر کہ وہ یاقوت ہے، اور وہ کانچ کا نکلا تو بیع باطل ہے، اس لئے کہ یاقوت (جو مسمی ہے) اور کانچ (جو مشار الیہ ہے) کی جنس مختلف ہونے کی وجہ سے عقد مسمی کے ساتھ متعلق ہوگا اور مسمی (یعنی یاقوت) موجود نہیں۔

اور متحد الجنس کی مثال ہے کہ: اندھیرے میں نگ خریدا اس شرط پر کہ وہ سرخ یاقوت کا ہے اور مشتری نے بعد میں جب دیکھا تو وہ زرد یاقوت کا نکلا تو یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ سرخ یاقوت (جو مسمی ہے) اور زرد یاقوت (جو مشار الیہ) دونوں کی جنس متحد ہے تو عقد مشار الیہ کے ساتھ متعلق ہوگا، اور مشار الیہ زرد یاقوت تھا (البتہ اس صورت میں وصف مرغوب کے فوت ہونے کی وجہ سے مشتری کو وہ سودا باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار ہوگا)

---

(۱) فی الشامیة عن البحر :بعتك...... بهذه الدراهم اللتی فی یدك وهی مرئية له فقبل، جاز ولزم ..الخ (شامی : ۷/۴۹-۵۱)

(۲) الوصف فی الحاضر لغو وفی الغائب معتبر.(قواعد الفقه،ص:۱۳۷، قاعده:۳۸۹)

(۳)......أن الإشارة مع التسمية إذا اجتمعا:ففی مختلفی الجنس يتعلق العقد بالمسمی ويبطل لانعدامه وفی متحدی الجنس يتعلق بالمشارإليه وينعقد لوجوده ويتخير لفوات الوصف.(شامی :۷/۲۳۹)

عقد میں تبعاً داخل ہونے والی چیزیں

۲۶۶-**ضابطہ**: بسا اوقات کوئی چیز عقد میں تبعاً وحکماً داخل ہوتی ہے مگر اصلاً وقصداً داخل نہیں ہوتی ہے۔(۱)

تفریعات:

(۱) پس حمل کی بیع اصلاً جائز نہیں، مگر جانور کے تابع ہو کر درست ہے۔ پس اس کی وجہ سے جانور کی قیمت میں اضافہ جائز ہے۔

(۲) مسجد کا قرب بذات خود محل بیع نہیں، لیکن اس کی وجہ سے گھر کی قیمت میں اضافہ جائز ہے۔

(۳) تاجیل (مہلت) کی مستقلاً بیع (یعنی اس کی کوئی قیمت لینا) جائز نہیں۔ (لیکن ادھار بیع کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا جائز ہے، کہ اس وقت اس زیادتی کو مبیع کا ہی عوض قرار دیں گے، اگرچہ عقد کے وقت تاجیل کی قیمت مدنظر ہو۔ برخلاف قرض کے کہ اس میں وقت یا مدت کی کوئی قیمت مقرر کرنا جائز نہیں سود ہو جاتا ہے، کیونکہ جہاں نقود کا مقابلہ نقود سے ہو تو وہاں اوصاف ہدر ہوتے ہیں (یعنی ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا) پس وہاں تساوی کا لحاظ ضرور ہے، برخلاف بیع العروض بالنقود کے، فافہم)

(۴) حقوق مجردہ کی بیع بوجہ مال نہ ہونے کے جائز نہیں، لیکن کسی عین کے ضمن میں ان کو بیچنا جائز ہے، جیسا کہ فقہاء نے حق تعلّی اور حق شرب کی بیع ناجائز قرار دیا ہے، لیکن گھر یا زمین کے ضمن میں جائز کہا ہے۔(۲)

(۵) اسی طرح معدوم کی بیع مستقلاً جائز نہیں لیکن موجود کے ضمن میں جائز ہے، جیسے درخت پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں تو ان کی بیع جائز نہیں، لیکن اگر کچھ ظاہر ہو گئے

(۱) قد یثبت الشیء تبعا وحکما وإن کان یبطل قصداً. (قواعد الفقه: ص ۹۷، قاعدہ: ۲۰۹) (۲) (شامی: ۲۳۶/۷)

ہوں اور کسی حد تک قابل انتفاع بھی ہو گئے ہوں تو وہ اصل ہیں ان کے ضمن میں ان پھلوں کی بیع بھی جائز ہوگی جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور معدوم ہیں۔ اسی طرح آلو، لہسن، شلجم وغیرہ جو زمین میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کا وجود معلوم نہیں ان کی بیع جائز نہیں، لیکن اگر ان کا کچھ وجود۔ دو ایک جگہ سے زمین کھود کر۔ متحقق ہو جائے تو وہ اصل ہیں، ان کے ضمن میں اس کھیت کے باقی آلو وغیرہ کی بیع بھی جائز ہوگی جن کو دیکھا نہیں۔[۱]

۲۶۷- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو مبیع کے تحت تبعاً داخل ہوتی ہے اس کے مقابل میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔[۲]

تفریعات:

(۱) ایک صحیح سالم جانور خریدا، پھر وہ ایک آنکھ سے کانا ہو گیا تو اس کو مرابحہ کے طور پر بیچتے وقت یہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ میں نے اس کو صحیح سالم خریدا تھا پھر عیب پیدا ہو گیا (مرابحہ کہتے ہیں جس قیمت پر خریدا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے نفع کے ساتھ بیچنا، جیسے کہے: میں نے اس کو ہزار میں خریدا ہے اور سو روپیہ نفع لے کر گیارہ سو میں بیچتا ہوں۔ تو اس وقت یہ کہنا لازم نہیں کہ میں نے جب خریدا تھا تو عیب سے پاک تھا پھر عیب پیدا ہوا) کیونکہ کانا ہونا یہ وصف کی کمی ہے اور وصف شئ کا تابع ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آتا (البتہ بائع کے لئے مشتری کو نفس عیب سے مطلع کرنا ضروری ہے کہ اس میں یہ عیب ہے) ـــــ اسی طرح ایک کپڑا خریدا اور اس کو

(۱) بطل بيع ماليس بمال......والمعدوم ...... ومنه بيع ماأصله غائب كجزر وفجل...... هذا إذا نبت ولم يعلم وجوده، فإذا علم جاز،وله خيا رالرؤية وتكفى رؤية البعض عندهما وعليه الفتوىٰ .(الدر المختار:۷/ ۲۳۵ –النهر الفائق: ۳/۳۵۹) (۲) كل مادخل تبعاً لايقابله شيء من الثمن .(هنديه :۳/ ۳۸، الدر المختار على هامش ردالمحتار :۷/۸۱)

چوہے نے کتر لیا یا آگ سے کچھ جل گیا تو اس کو بھی مرابحہ کے طور پر بلا وضاحت بیچ سکتا ہے۔ یعنی یہ وضاحت ضروری نہیں کہ میرے پاس آکر اس میں عیب پیدا ہوا۔

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کسی آفت سماوی کی وجہ سے وصف کا نقصان ہوا ہو، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا۔ اور اگر خود مشتری کے فعل سے نقصان ہوا یا دوسرے سے ہوا اور اس سے جنایت وصول کرلی گئی تو اب یہ وصف مقصود ہونے کی وجہ سے اصل کے قائم مقام ہو گیا اور اس کے مقابلہ میں ثمن آئے گا لہذا اب اس کو مرابحہ کے طور پر بیچتے وقت یہ وضاحت ضروری ہوگی کہ میں نے اس کو صحیح سالم خریدا تھا پھر عیب پیدا ہوا۔ (۱)

(۲) زمین خریدی اور اس میں درخت تبعاً داخل ہوئے یعنی مستقل ان کی الگ قیمت بیان نہیں کی گئی تھی پھر کسی آفت سماوی کی وجہ سے قبضہ سے پہلے وہ درخت ہلاک ہو گئے تو ثمن میں سے کچھ کم نہ ہوگا، مشتری اگر چاہے تو کل ثمن جو بیان کیا گیا تھا اس کے عوض خریدے یا ترک کردے۔ (شامی: ۸۱/۷)

۲۶۸-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو عرفاً مبیع کے تحت آتی ہو؛ یا وہ چیز مبیع سے اتصال قرار کے ساتھ متصل ہو تو وہ بیع کے تحت تبعاً بلا ذکر کے داخل ہوگی، اور جو چیز ان دونوں قسموں میں سے نہ ہو، تو اگر وہ اس کے حقوق ومرافق میں سے ہو تو حقوق ومرافق کو بیان کرنے سے وہ داخل ہوگی، ورنہ داخل نہ ہوگی (یعنی اس کے حقوق ومرافق میں

---

(۱) ومن اشترى جارية فاعورت او وطيها وهى ثيب يبيعها مرابحة ولايبين لانه لم يحتبس عنده شيء يقابله الثمن لأن الأوصاف تابعة لايقابلها الثمن ...أما إذا قفأعينها بنفسه أو فقاها أجنبى فأخذ ارشها لم يبعها مرابحة حتى يبيّن لأنه صار مقصوداً بالاتلاف فيقابلها شيء من الثمن ...ولو اشترى ثوباً فأصاب به فرض فار أو حرق نار يبيعه مرابحة من غير بيان ولو تكسّر بنشره وطيّه لايبيعه حتى يبيّن والمعنى مابيناه. (هدايه: ۷۳/۳، باب المرابحة)

سے نہ ہوتو اگرچہ حقوق ومرافق کا ذکر کیا ہو داخل نہ ہوگی) [1]

تشریح: عرفاً مبیع کے تحت آنا جیسے دکان سے کوئی چیز خریدی تو اس کو رکھنے کے لئے تھیلی (بیگ) ساتھ دی جاتی ہے، تو یہ تھیلی عرفاً مبیع کے تحت آتی ہے۔

اور اگر کوئی چیز عرفاً مبیع کے تحت نہ آتی ہو تو دیکھا جائے کہ وہ چیز مبیع سے اتصال قرار رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر اتصال قرار رکھتی ہو تو بیع کے تحت داخل ہوگی، اگرچہ عقد کے وقت اس کا ذکر نہ ہوا ہو، جیسے درخت زمین کی بیع میں داخل ہوں گے، اور گھر کے دروزے، الیکٹرونیک لائن، گیس لائن، اور باغ (جو گھر کے کمپاؤنڈ میں ہو، یا باہر ہو لیکن گھر سے چھوٹا ہو [2] تو) یہ سب چیزیں گھر کی بیع میں داخل ہوں گی۔ اور اگر وہ چیز (مبیع سے) اتصال قرار نہ رکھتی ہو تو بیع کے تحت داخل نہ ہوگی، جیسے کھیتی زمین کی بیع میں اور پھل درخت کی بیع میں (بلا صراحت) داخل نہ ہوں گے، کیونکہ کھیتی اور پھل تیار ہو جانے پر کاٹ لئے جاتے ہیں، اس میں اتصال قرار نہیں ہے۔

اور جو چیز ان دونوں قسموں میں سے نہ ہو (یعنی نہ عرفاً مبیع کے تحت آتی ہو اور نہ مبیع سے اتصال قرار رکھتی ہو) تو اگر وہ اس کے حقوق ومرافق میں سے ہو تو حقوق ومرافق کو بیان کرنے سے داخل ہوگی، جیسے راستہ اور حق شرب زمین کی بیع میں یعنی جب کہا کہ

(۱) كل ماهو متناول اسم المبيع عرفاً يدخل بلاذكر .أو متصلاً به تبعاً دخل في بيعها يعني أن كل ماكان متصلاً با البيع اتصال قرار وهو ماوضع لالأن يفصله البشر دخل تبعاً ومالافلا ومالم يكن من القسمين فإن من حقوقه ومرافقه دخل بلا ذكر وإلا لا.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ٧/ ٧٤- ٧٥، درر الحكام شرح غرر الأحكام :١٧٣/٦)

(۲)وكذا البستان الداخل، وإن لم يصرح بذالك، لاالبستان الخارج إلا إذاكان أصغر منها فيدخل تبعاً، ولو مثلها أو أكبر فلا إلا بالشرط. زيلعي وعيني. وبذالك جزم أيضا في البحر والنهر هناك (شامي :٧/ ٧٥)

میں نے اس زمین کو اس کے تمام حقوق ومرافق سمیت خریدا تو راستہ اور حق شرب داخل ہو جائے گا ورنہ داخل نہ ہوگا۔اور اگر وہ چیز اس کے حقوق ومرافق میں سے نہ ہو تو حقوق ومرافق کے بیان سے بھی داخل نہ ہوگی، جیسے، کھیتی اور پھل۔کہ اگر کہا میں نے یہ زمین یا درخت مع اس کے حقوق کے خریدا تو (کھیتی اور پھل) مبیع کے تحت داخل نہ ہوں گے، کیونکہ اس میں نہ اتصال قرار ہے اور نہ وہ اس کے حقوق میں سے ہیں۔ پس اس میں صراحت ضروری ہے، یا یوں کہے کہ میں نے اس زمین یا درخت کو ہر اس چیز کے ساتھ جو اس میں ہے یا اس سے متعلق ہے خریدا تو پھر بیع کے تحت کھیتی اور پھل بھی داخل ہوں گے۔ (۱)

استدراک: لیکن جانور کی بیع میں حمل کے داخل ہونے پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ اس میں اتصال قرار نہیں ہے پھر بھی بلا ذکر کے داخل ہے، کیوں کہ وہ فضل الٰہی ہے، نیز وہ اس کی جزئیت میں داخل ہے، برخلاف کھیتی وغیرہ کہ وہ زمین کا جزو نہیں (۲)

۲۶۹-**ضابطہ**: ہر وہ خارجی چیز جو جاندار (پرندہ، مچھلی وغیرہ) کے پیٹ سے

---

(۱)(فإن من حقو قه ومرافقه)..كالطريق والشرب للأرض ..(دخل بذكرها)أى بذكرالحقوق والمرافق. قوله:(وإلالا)أى وإن لم يكن من حقوقه ومرفقه لايدخل وإن ذكرها فلا يدخل الثمر بشراء شجرلأنه وإن كان اتصاله خلقيا فهو للقطع لاللبقاء فصار كالزرع ،إلا إذا قال بكل مافيها أو منها،لأنه حينئذ يكون من المبيع كما فى الدرر.(شامى :۷/۷۵، تبيين الحقائق: ۱۰/ ۲۶۱)

(۲)فاندفع ماأورد عليه من بيع الجارية الحامل ونحو البقرفإنه يدخل حملها فى البيع مع أنه متصل للفصل بأن ذالك فضل الله تعالىٰ وهذا المعنى متبادر فترك التقييد به وأيضاً الأم ومافى بطنها مجانس متصل فيدخل باعتبار الجزئية بخلاف الزرع ليس مجانساً للأرض فلا يمكن اعتبار الجزئية ليدخل بذكر الأصلية.(تبيين الحقائق: ۱۰/ ۲۶۹)

نکلے تو اگر وہ اس جاندار کے خوراک میں سے ہے تو وہ مشتری کیلئے ہے، ورنہ بائع کے لئے ہے۔[۱]

جیسے مچھلی خریدی، اور اس کے پیٹ میں سے دوسری مچھلی، یا عنبر نکلا تو وہ مشتری کے لئے ہے، اور اگر موتی نکلا تو وہ بائع کے لئے ہے، اور وہ بائع کیلئے بحکم لقطہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ موتی صدف (سیپ) میں تھا تو وہ مشتری کے لئے ہے کیونکہ صدف مچھلی کے خوراک میں سے ہے۔[۲]

مبیع وغیرہ پر قبضہ کا بیان

۲۷۰- **ضابطہ**: ہر وہ عقد جو عوض کے ہلاک ہونے سے فسخ نہیں ہوتا اس عوض میں قبل القبض تصرف جائز ہے، اور جو فسخ ہوجاتا ہے اس میں تصرف جائز نہیں۔[۳]

جیسے مہر، بدل خلع وغیرہ میں قبل القبض تصرف جائز ہے، یعنی بیوی کے لئے قبل

(۱) كل شيء يوجد في حوصلة الطير مما يأكله فهو للمشتري وإن كان من غيره فهو للبائع كما في التاتارخانية. (هنديه :۳/۳۸) (۲) قال أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ: اشترى سمكة فوجد في بطنها لؤلؤة فإن كانت في الصدف تكون للمشتري وإن لم تكن في الصدف فإن كان البائع اصطاد السمكة يردّها المشتري على البائع وتكون عند البائع بمنزلة اللقطة ...وإن اشترى سمكة فوجد في بطنها سمكة تكون للمشتري ...ولو كان فيه عنبر يكون للمشتري ولو اشترى دجاجة فوجد فيها لؤلؤة فهي للبائع ..الخ (هنديه :۳/۳۸)

(۳)......كل عقد ينفسخ بهلاك العوض لم يجز التصرف في ذالك العوض قبل قبضه كالبيع...... ومالاينفسخ بهلاك العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر...... يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه .(فتح القدير :٦/٤٧٣)

القبض اس کو بیچنا، ہدیہ دینا، یا کرایہ پر دینا وغیرہ جائز ہوگا، کیونکہ یہ (عقد نکاح، عقد خلع) ان عقود میں سے ہیں کہ اگر اتفاق سے ان کا عوض (مہر یا بدل خلع) ہلاک بھی ہو جائے تو وہ فسخ نہیں ہوتے، شوہر کے ذمہ دوسرا عوض دینا لازم ہوتا ہے۔

برخلاف خرید وفرخت کا معاملہ اگر اس میں سودا (مبیع) ہلاک ہو جائے تو عقد ہی فسخ ہو جاتا ہے۔ پس مبیع پر قبضہ سے پہلے اس میں تصرف (بیع، اجارہ وغیرہ) جائز نہیں۔

تفریع: پس ان پھلوں کی بیع جو ابھی درخت پر ظاہر نہیں ہوئے؛ اڑتے ہوئے پرندے کی بیع؛ مفرور جانور کی بیع؛ تالاب میں مچھلی کی بیع؛ وغیرہ... قبل القبض کی تمام صورتیں بیع میں جائز نہیں، ایسی بیع فاسد ہے۔ (جیسا کہ شروع میں گذر چکا)

۱۷۱- **ضابطہ**: ہر ایسا تصرف جو بغیر قبضہ کے جائز ہو جاتا ہے (جیسے بیع واجارہ) مشتری جب اس کو قبل القبض کرے تو جائز نہیں۔ اور جو تصرف بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہوتا ہے (جیسے ہدیہ، صدقہ وغیرہ) مشتری جب قبل القبض کرے تو جائز ہے۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور درمختار میں ہے کہ یہی اصح ہے [۱] اور شیخینؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ـــــ البتہ قبل القبض وصیت کے صحیح ہونے میں سب کا اتفاق ہے، یعنی اگر متوفی نے قبضہ سے پہلے اس مال کے متعلق کوئی وصیت کی ہے تو وہ قابل نفاذ ہوگی۔ [۲]

---

(۱) قال محمد: كل تصرف يجوز من غير قبض إذا فعله المشترى قبل القبض لايجوز، وكل مالايجوز إلا بالقبض كالهبة إذا فعله المشترى قبل القبض جاز (شامي :۹۳/۷-۹٤)وبيع منقول قبل قبضه ..نخلاف.. هبته والتصدق به وإقراضه ورهنه وإعارته من غير بائعه فإنه صحيح على قول محمدؒ وهو الأصح (الدر المختار على هامش ردالمحتار :۳۷۰/۷،باب المرابحة والتولية)

(۲)ولو أوصى به قبل القبض ثم مات قبل القبض صحت الوصية بالإجماع . (فتح القدير :٤٧٣/٦)

۲۷۲-**ضابطہ**: منقولات کی بیع قبل القبض جائز نہیں، غیر منقولات کی جائز ہے۔[۱]

تشریح: پس گیہوں، کپڑا، برتن، الماری وغیرہ منقولی چیزوں میں جب تک قبضہ نہ کرلیا جائے ان کو آگے بیچنا جائز نہیں اور زمین، مکان، دکان وغیرہ غیر منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض بھی درست ہے۔ کیونکہ منقولی اشیاء میں ہلاکت کا خطرہ رہتا ہے، لہٰذا ممکن ہے مشتری کا اس پر قبضہ ہی نہ ہو سکے، ایسی صورت میں وہ جس دوسرے شخص کے ہاتھ اس کو فروخت کرے گا وہ دھوکا کھائے گا کہ باوجود سودا ہو چکنے کے اس کو مبیع حاصل نہیں ہوئی، برخلاف غیر منقولی اشیاء کہ ان میں اس طرح ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

فائدہ: فتح القدیر میں ہے: کہ اس دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ اموال غیر منقولہ میں بھی جب ضیاع کا اندیشہ ہو تو قبضہ کئے بغیر آگے بیچنا جائز نہ ہوگا، مثلاً زمین سمندر کے بالکل قریب ہو اور اندیشہ ہو کہ سمندر کی زد میں آجائے، اسی طرح مکان یا دیگر عمارات میں اس قسم کا کوئی قوی خطرہ ہو۔[۲]

۲۷۳-**ضابطہ**: ہر سامان میں قبضہ اس سامان کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔[۳]

جیسے غیر منقولی اشیاء کا قبضہ تخلیہ (یعنی مشتری کیلئے اس کو فارغ کر دینے اور اس میں رکاوٹ نہ رکھنے سے) ہوتا ہے، اور منقولی اشیاء کا قبضہ تخلیہ سے بھی ہوتا ہے، نیز اس شئ میں عرفاً قبضے کی جو نوعیت ہے اس سے بھی ہوتا ہے، مثلاً مشتری کے تھیلے میں اس کے حکم سے سامان رکھ دیا، یا گیہوں کو مشتری کے حکم سے پیس دیا، یا مکان خالی کر کے اس کی کنجی مشتری کے حوالہ کر دی ــــ وغیرہ یہ سب قبضہ کی صورتیں ہیں۔

(۱)(ھدایہ: ۷۴/۳)(۲)(فتح القدیر: ۴۷۴/۶)

(۳)......لکن ذالك یختلف بحسب حال المبیع. (شامی: ۹۶/۷)

اوراصل اس میں ہے کہ مشتری کے ضمان (یعنی رسک) میں وہ چیز آجانی چاہئے کہ اگر نقصان ہو تو مشتری کا ذمہ، بائع کا نہیں، جب اس کے لئے خارج میں کوئی صورت پائی جائے تواب مشتری کے لئے اس کی بیع وغیرہ کر کے اس سے نفع اٹھانا جائز ہوگا۔ ورنہ ربح مالم یضمن (یعنی اس چیز سے نفع اٹھانا جو ابھی ضمان میں نہیں آئی) لازم آئے گا اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا۔[۱]

۲۷۴- **ضابطہ**: ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، مبیع منقول میں جائز نہیں۔[۲]

تشریح: پس ثمن پر قبضہ سے پہلے بائع کے لئے اس کو ہبہ، صدقہ وغیرہ ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے، جبکہ مبیع میں عندالشیخین مشتری کے لئے کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو تصرف بغیر قبضہ کے جائز ہو جاتا ہے (جیسے بیع واجارہ) وہ جائز نہیں، اور جو بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہوتا جیسے ہدیہ وغیرہ وہ جائز ہے۔ پس امام محمد رحمہ اللہ کے کے نزدیک مبیع کو قبل القبض، بیچنا تو جائز نہیں البتہ ہدیہ کرنا یا صدقہ کرنا جائز ہے، درمختار میں ہے کہ یہی اصح ہے۔ (جیسا کہ ضابطہ نمبر ۲۷۱ تفصیل گزر چکی)

اور مبیع میں منقول کی قید اس لئے کہ غیر منقولات زمین مکان وغیرہ میں قبل القبض بھی ہر قسم کا تصرف جائز ہے (جیسا کہ ضابطہ نمبر ۲۷۲ میں بیان ہوا)

۲۷۵- **ضابطہ**: مقبوض علی سوم الشراء میں مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے

---

(۱) التخلية تسليم (قاعده: ۸۰ ص: ۶۹)- أنّ رسول الله ...... قال لايحل سلف وبيع ولاشرطان ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ماليس عندك (ترمذی، حديث: ۱۱۵۵، باب كراهية بيع ماليس عندك)

(۲) لايجوز التصرف فی المبيع المنقول قبل قبضه ويجوز فی الثمن قبل قبضه (الجوهرة النيرة: ۱/ ۲۳۹)

تو وہ ضامن ہوگا، جبکہ مقبوض علی سوم النظر میں وہ ضامن نہ ہوگا۔[۱]

تشریح: مقبوض علی سوم الشراء یہ ہے کہ خریدار بائع سے کہے کہ یہ چیز مجھے دو، اگر مجھے یہ پسند آگئی تو میں اتنے دام پر لوں گا، تو یہ بیع ہے، پس اگر وہ ہلاک ہوجائے تو قابض ضامن ہوگا۔ اور مقبوض علی سوم النظر یہ ہے کہ خریدار بائع سے کہے یہ چیز مجھے دو، تاکہ میں اس میں سوچ وچار کروں یا دوسرے کو دکھلاؤں، تو شئے مقبوض اس کے پاس امانت ہوگی، یہ بیع نہیں ہے، پس ہلاک ہوجائے تو قابض ضامن نہ ہوگا۔ (پس بنیادی فرق یہ ہے کہ سوم الشراء میں قیمت طے ہوجاتی ہے، جبکہ سوم النظر میں کوئی قیمت طے نہیں ہوتی، صرف غور فکر کرنے یا دکھلانے کیلئے وہ لے جاتا ہے)[۲]

ثمن اور مبیع کے متعلقات

۲۷۶- **ضابطہ**: اوصاف کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آتا۔[۳]

تفریع: پس کسی نے پانچ ہزار میں غلام خریدا اس شرط پر کہ وہ کاتب ہے، لیکن وہ کاتب نہیں نکلا تو چونکہ وصف مرغوب فوت ہوا اس لئے اسے اختیار ہے کہ وہ غلام واپس کردے یا رکھے، لیکن رکھنا ہو تو پوری قیمت (پانچ ہزار) میں رکھنا ہوگا، مشتری سے کچھ قیمت واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ وصف کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آتا۔

اسی طرح گاڑی خریدی اس شرط پر کے وہ اس رنگ کی ہو یا اتنی رفتار سے چلنے والی ہو، مگر خریدنے کے بعد جب دیکھا تو وہ دوسرے رنگ کی نکلی یا بیان کردہ رفتار سے کم ظاہر ہوئی، تو اس میں بھی مشتری کو اختیار ہوگا کہ یا تو واپس کردے اور قیمت وصول

---

(۲)...... کالمقبوض علی سوم الشراء فإنه بعد بیان الثمن مضمون بالقیمة ...... أما علی سوم النظر فغیر مضمون مطلقاً. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۷/۱۱۹-۱۲۱) (۲) (شامی: ۷/۱۱۹) (۳) لأن الأوصاف لایقابلها شیء من الثمن لکونها تابعة فی العقد. (هدایه: ۳/۳۵)

کر لے، یا رکھنا ہو تو پوری قیمت میں رکھے قیمت کم نہیں کروا سکتا (ہاں بائع اپنی طرف سے کچھ قیمت واپس کر دے تو حرج نہیں کہ وہ اس کا حق ہے، اور آدمی اپنا حق ساقط کر سکتا ہے)

۲۷۷- **ضابطہ**: ثمن سے بری کرنا تعلیق کا احتمال نہیں رکھتا۔[1]

تشریح: کیونکہ ثمن سے بری کرنے میں تملیک کا معنی ہے، کہ گویا مشتری کو ثمن کا مالک بنایا جا رہا ہے اور تملیک میں تعلیق درست نہیں، کیونکہ تعلیق میں ملکیت یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ شرط پر معلق رہتی ہے اور یہ قمار (جوا) ہے۔ پس ثمن سے بری کرنے میں تعلیق درست نہ ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ: کشتی کے سفر میں کوئی شخص سامان بیچ رہا تھا، اتنے میں ضرورت پیش آئی کے کشتی میں سے بوجھ ہلکا کیا جائے ورنہ کشتی خطرے میں ہے، تو بائع نے اعلان کیا جس نے مجھ سے سامان خریدا ہے وہ ثمن سے بری ہے اس شرط پر کہ وہ سامان سمندر میں ڈال دے، تو اس کا یہ کہنا باطل ہے، کوئی بھی مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا، خواہ سامان سمندر میں ڈالے یا نہ ڈالے، کیونکہ تعلیق کی وجہ سے برأت درست نہیں رہی۔

۲۷۸- **ضابطہ**: حصہ مشاع کی بیع وشراء بالاتفاق جائز ہے، ہبہ جائز نہیں[2]

تشریح: اگر کسی گھر یا زمین کا حصہ مشاع بیچا مثلاً پانچواں حصہ یا دسواں تو یہ بالاتفاق جائز ہے پس مشتری اس گھر یا زمین کے ہر ہر حصہ میں شریک ہوگا لیکن حصہ مشاع کا ہدیہ کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ بیع میں قبضہ شرط نہیں اور ہبہ میں قبضہ شرط ہے بدون قبضہ کے موہوب لہ مالک نہیں ہوتا اور حصہ مشاع میں جب

(۱) الإبراء عن الثمن لايحتمل التعليق. (قواعد الفقه، ص: ۵۲، قاعده: ۲)

(۲) ......وإن اشترىٰ عشرة أسهم من مأة سهم جاز فى قولهم جميعاً ......الخ (هدايه: ۳/۲۳) ولناأن القبض منصوص عليه فى الهبة فيشترط كما له والمشاع لايقبله إلا بضم غيره ......الخ (هدايه: ۳/ ۲۸۵)

تک اس کو تقسیم نہ کیا جائے موہوب لہ کا قبضہ ممکن نہیں۔

استدراک: لیکن اگر کسی فیکٹری یا ہوٹل کے حصہ مشاع میں باقاعدہ شیرز کا کاروبار چلتا ہو جیسا کہ شیر مارکیٹ میں ہوتا ہے تو ان میں شیرز کا ہدیہ جو کے درحقیقت حصہ مشاع کا ہدیہ ہے جائز ہے، کیونکہ شیرز بوجہ لین دین کے خود تجارتی مال کے حکم میں ہوگئے ہیں اور ان پر باقاعدہ دستاویز وغیرہ کی صورت میں قبضہ کیا جاتا ہے۔ پس ممانعت کی علت (عدم قبضہ) ختم ہوگئی۔

۲۷۹- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو نفس مبیع میں یا اس کی قیمت میں اضافہ کرے اس کو مبیع کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ (۱)

تفریع: پس اگر کوئی کپڑا مثلاً پانچسو روپے میں خریدا پھر اس میں کچھ کام کیا مثلاً نقش ونگار، رنگنا، سینا وغیرہ جس سے نفس مبیع میں اضافہ ہوا تو اب اس کو مبیع کے ساتھ لاحق کر کے جس قدر اضافہ ہوا ہے اسی قدر قیمت زیادہ کر کے بیع تولیہ (خرید قیمت پر سودا) کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس میں یوں نہیں کہے گا کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے، بلکہ یوں کہے گا کہ مجھے یہ چیز اتنی لاگت میں پڑی ہے، تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے۔

اسی طرح جب نفس مبیع میں تو کوئی اضافہ نہیں کیا لیکن اس کی قیمت میں نقل مکانی وغیرہ کی وجہ سے اضافہ ہوا تو بھی یہی حکم ہے۔ (۲)

فائدہ: باعتبار قیمت بیع کی چار قسمیں ہیں: تولیہ، مرابحہ، وضیعہ، اور مساومہ۔ تولیہ یہ ہے کہ جس قیمت میں خریدا اتنے میں ہی بیچ دیا جائے۔ اور مرابحہ یہ ہے کہ نفع کے ساتھ بیچا جائے۔ اور وضیعہ کہتے ہیں: خرید قیمت سے کم میں یعنی نقصان سے بیچا جائے اور مساومہ یہ ہے کہ پہلی قیمت کو ملحوظ رکھے بغیر بیع کی جائے، خواہ نفع کے ساتھ ہو، یا نقصان کے ساتھ ہو، یا برابر کا معاملہ ہو ـــــ اس طرح بیع مساومہ میں پہلی قیمت کا

---

(۱) كل مايزيد فى المبيع أو فى قيمته يلحق به هذا هو الأصل. (اللباب على هامش الجوهرة: ۱/۲۶۹) (۲) (هدايه: ۳/۷۱)

ذکر ہی نہ ہوگا، جبکہ باقی تین صورتوں میں عقد کے وقت پہلی قیمت کا حوالہ دینا ضروری ہے، یعنی میں پہلی قیمت پر اس قدر نفع یا نقصان کے ساتھ، یا بعینہ اسی قیمت پر بیچ رہا ہوں [۱] ـــــ اگر بائع نے مشتری سے خیانت کی تو اگر بیع مرابحہ میں ایسا کیا یعنی جو نفع ظاہر کیا تھا اس سے زیادہ لیا تو اس میں مشتری کو اختیار ہوگا کہ بیع فسخ کردے یا اسی قیمت پر لے جو بائع نے بیان کی ہے اور اگر بیع تولیہ میں خیانت ظاہر ہوئی تو بقدر خیانت قیمت کم کردے، اس میں واپسی یعنی فسخ کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ تولیہ میں کم نہ کیا جائے تو ثمن اول سے زائد ہونے کی وجہ سے تولیہ باقی نہیں رہے گا بلکہ مرابحہ ہو جائے گا، برخلاف مرابحہ کہ اس کو باقی رکھنے کے لئے کم کرنا ضروری نہیں لہذا اس میں حکم ہے کہ یا تو اسی قیمت پر لے یا فسخ کردے۔ [۲]

نوٹ: اقسام بیع سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقد میں استثناء کا بیان

۲۸۰-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جس پر عقد وارد ہوسکتا ہے، اس کا استثناء بھی ہوسکتا ہے، اور جس پر عقد وارد نہیں ہوسکتا اس کا استثنا بھی نہیں ہوسکتا۔ [۳]

---

(۱)(شامی: ۹/۷، الجوهرة النيرة: ۱/ ۲۶۹، هنديه: ۳/۳-۴)

(۲)فإن ظهر خيانته فی مرابحة ...أخذه المشتری بكل ثمنه أو رده لفوات الرضاء وله الحط قدر الخيانة فی التولية(الدر المختار)قال ح:يعنی لولم يحط فی التولية تخرج عن كونها تولية لأنها تكون بأكثر من الثمن الأول، بخلاف المرابحة فإنه لولم يحط فيها بقيت مرابحة. (شامی: ۳۵۵/۷-۳۵۶)

(۳)ماجازايردا العقد عليه بانفراده صح استثناؤه منه(الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۹۰/۷-بناية: ۶۶/۷)الأصل ان مالا يصح افراده بالعقد لايصح استثناؤه. (هدايه ص: ۶۰، تبيين الحقائق: ۲۷۴/۱۰)

جیسے:

(۱) جانور کے تنہا حمل کا بیچنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر کا احتمال ہے، تو اس کا استثناء بھی جائز نہیں، یعنی کہے: میں نے یہ بکری بیچی مگر اس کے حمل کا استثنا ہے تو یہ درست نہیں۔ (۱)

(۲) بکریوں کے ریوڑ میں سے دس غیر معین بکریوں کا بیچنا جائز نہیں، کیونکہ بکریوں کے افراد میں زیادہ تفاوت ہوتا ہے، اس لئے مبیع کی تعیین میں جھگڑا ہوگا، پس ریوڑ میں سے دس غیر متعین بکریوں کا استثناء کرنا بھی جائز نہیں یہاں بھی جھگڑے کا احتمال ہے، کیونکہ مشتری کمزور قسم کی بکریاں علاحدہ کرے گا اور بائع اچھی بکریاں چھانٹے گا۔ اور یوڑ میں سے دس بکریاں متعین کر کے فروخت کرنا جائز ہے، پس متعین دس بکریوں کا استثناء بھی جائز ہے۔

(۳) اور گیہوں کے ڈھیر میں سے بغیر تعیین کئے پانچ کیلو گیہوں بیچنا جائز ہے، کیونکہ گیہوں کے دانوں میں تفاوت نہیں ہوتا، پس ڈھیر میں سے پانچ کیلو کا استثنا بھی جائز ہے۔ (۲)

(۴) اسی طرح آم کے باغ میں سے دس غیر معین درختوں کو بیچنا جائز نہیں تو ان کا استثناء بھی جائز نہیں اور معین درختوں کی بیع جائز ہے تو ان کا استثناء بھی جائز ہے۔

استثناء: لیکن اگر درخت پر آم کا استثناء کیا جیسے کہا سارے آم فروخت کئے مگر اس میں سے پچاس کیلو ہم کھانے کے لئے رکھیں گے تو ضابطہ کے رو سے تو اس کا استثناء صحیح نہ ہونا چاہئے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ: اگر باغ کے موجودہ حالات سے یہ اندازہ ہو کہ اتنے آم اتریں گے تو یہ استثناء صحیح ہے۔ فی زمانہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے فتویٰ اسی پر ہے، پس یہ صورت ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔ (۳)

---

(۱) (هدایه ص: ٦٠) (۲) (شامی: ۹۰/۷)

(۳)......وقيد بالأرطال، لأنه لو استثنى رطلاً واحداً جاز اتفاقاً لأنه القليل ←

لیکن بہرحال وزن سے تعیین کی بجائے حصہ کا استثناء کرنا بہتر ہے مثلاً جو کچھ آم اتریں گے ان کا تیسرا حصہ، یا پانچواں حصہ، یا دسواں حصہ ہم رکھیں گے باقی تمہیں بیچ دیا، کیونکہ یہ صورت بالاتفاق صحیح ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ (۱)

۲۸۱-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کا اتصال کسی چیز کے ساتھ خلقی ہو اس کو اس شئ سے الگ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں، مگر یہ کہ اس کا تعامل ہو تو ضرورتاً جائز ہے۔ (۲)

جیسے:

(۱) زندہ جانور کا گوشت یا کھال کا بیچنا جائز نہیں۔

(۲) جانور کے پشت پر اون یا بالوں کو کاٹنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۳) کھجور کی گٹھلی یا خربوزہ کے بیج کو اس میں سے نکالے بغیر بیچنا جائز نہیں۔

مگر بعض چیزوں کی بیع خلاف قیاس تعامل کی وجہ سے جائز ہے، جیسے:

(۱) زمین پر کھڑے درخت کو کاٹنے سے پہلے بیچنا جائز ہے۔

(۲) پھلوں کو درخت پر کاٹنے سے قبل بیچنا جائز ہے۔ (۳)

بیع سلم کا بیان

تمہید: بیع سلم کہتے ہیں ''بیع الآجل بالعاجل'' یعنی ادھار کو نقد کے عوض بیچنا۔

← من الكثير، بخلاف الأرطال لجواز أن لايكون إلا ذالك القدر فيكون استثناء الكل من الكل.بحر عن البناية. ومقتضاه أنه لوعلم أنه يبقى أكثر من المستثنى يصح . (شامي :۷/۹۰-۹۱)

---

(۱)......أفاد أن محل الاختلاف الآتي ماإذا استثنى معيناً، فإن استثنى جزءاً كربع وثلث فإنه صحيح اتفاقاً كما في البحرعن البدائع. (شامي :۷/۹۰)

(۲)......كذا كل مااتصاله خلقي كجلد حيوان ونوى تمر.الخ(الدر المختار:۷/ ۲۵۲)(۳)(الدر المختار: ۲۵۱ - ۲۵۲)

اس میں مبیع ادھار ہوتی ہے اور ثمن نقد ہوتا ہے۔

اس باب میں مبیع کو ''مسلم فیہ'' ثمن کو ''رأس المال'' بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو ''رب السلم'' یا ''مسلم'' (بکسر اللام) کہا جاتا ہے۔

۲۸۲- **ضابطہ**: بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار کا جاننا اور صفات کا ضبط کرنا ممکن ہو (تاکہ نزاع نہ ہو) اور جس میں یہ چیز ممکن نہ ہو اس میں سلم جائز نہیں (بوجہ مفضی الی المنازعۃ کے)(۱)

تفریع: اسی بنا پر فقہاء نے کہا کہ مسلم فیہ (مبیع) کا کیلی، وزنی، ذرعی یا عدد متقارب میں سے ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان میں مقدار اور صفات کا ضبط کرنا ممکن ہے، جس سے نزاع کا اندیشہ نہیں رہتا۔

کیلی: یعنی وہ چیز جو پیمانہ سے ناپ کر بیچی جاتی ہو، جیسے تیل، دودھ وغیرہ — اور وزنی: یعنی وہ چیز جو کانٹے میں تول کر فروخت کی جاتی ہو، جیسے گیہوں، چاول، چنا، خشک میوے وغیرہ — اور ذرعی سے مراد: وہ چیز جس کی پیمائش ہاتھ یا گز وغیرہ کے ذریعہ کی جاتی ہو جیسے کپڑے، چٹائی، لکڑا وغیرہ — اور عدد متقارب سے مراد: وہ چیز جو گن کر بیچی جاتی ہو اور ان کے افراد میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، جیسے، انڈے وغیرہ — پس ان تمام میں بیع سلم جائز ہے، جبکہ ان کی مقدار اور صفات کی اس طرح تعیین کر لی جائے کہ ادائیگی کے وقت فریقین میں نزاع کا اندیشہ نہ رہے۔

اسی پر متفرع ہوتے ہوئے حیوان کی بیع سلم جائز نہیں، کیونکہ وہ عدد متفاویات میں سے ہے یعنی ان کے افراد میں تفاوت زیادہ ہوتا ہے جو نزاع کا باعث ہوگا، اور انڈے، اخروٹ، وغیرہ میں بیع سلم جائز ہے، کیونکہ ان کے افراد میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا اور جو تھوڑا ہوتا ہے وہ لوگوں کے نزدیک ناقابل لحاظ ہے۔

---

(۱) ما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره صح السلم فيه، ومالا فلا. (الكنز على هامش البحر: ٦/٢٥٩)

اور حیوان کے گوشت میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک اس میں سلم جائز نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اسی طرح روٹی کے سلم میں بھی احناف کے یہاں اختلاف ہے۔ اختلاف کا منشاء اسی نظر وفکر کا اختلاف ہے کہ گوشت اور روٹی میں سلم نزاع کا باعث ہوتا ہے یا نہیں؟[۱]

علامہ شامیؒ نے روٹیوں کے قرض کے سلسلہ میں فتوی امام محمد کے قول پر ہونا بیان کیا ہے، یعنی ان کو قرض دینا جائز ہے، خواہ گن کر ہو یا تول کر۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلم میں بھی قول جواز مختار ہونا چاہئے (فی زماننا شادی بیاہ وغیرہ میں لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے، تدبر)[۲]

نوٹ: بیع سلم کی شرائط کے متعلق ایک شجرہ کتاب کے آخر میں ہے۔

بیع میں شرط کا بیان

۲۸۳-**ضابطہ**: ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد یا ملائم عقد ہو یا لوگوں میں متعارف ہو وہ بیع میں جائز ہے۔ اور جو شرط ایسی نہ ہو اور اس میں بائع یا مشتری یا مبیع کا نفع ہو تو وہ جائز نہیں، اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔[۳]

تشریح: شرط کا مقتضائے عقد ہونا: جیسے مشتری کہے کہ میں اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ تم مجھے مبیع فوراً حوالہ کردو، یا بائع کہے میں اس شرط بیع کرتا ہوں کہ تم مجھے ثمن فوراً

(۱)(مستفاد شامی: ۷/ ۴۵۹ – بحر: ۶/ ۴۲۶ – بدائع: ۴/ ۴۴۶)

(۲) ویستقرض الخبز وزناً وعدداً عند محمد ، وعلیه الفتویٰ واستحسنه الکمال واختاره المصنف تیسیراً (شامی: ۷/ ۲۸۹)

(۳) لیس کل شرط یفسد البیع ،بل لابد أن لایقتضیه العقد ولایلایمه ولایتعارف وکان فیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه (النهر الفائق: ۴/ ۴۳۴، کذا فی الهندیه: ۳/ ۳، الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۷/ ۲۸۲)

ادا کر دو، تو یہ شرط مقتضائے عقد کے عین مطابق ہے اور جائز ہے۔

ملائم عقد (یعنی عقد کے مناسب) شرط ہونا: جیسے بیع مؤجل (ادھار سودے) میں بائع کہے کہ میں تم سے بیع مؤجل کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے کفیل لا کر دو کہ تم پیسے وقت پر ادا کرو گے، تو یہ شرط اگرچہ براہ راست مقتضائے عقد نہیں، لیکن ملائم عقد ہے، اس سے عقد مؤکد ہوتا ہے پس یہ جائز ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ تم مجھے کوئی چیز رہن کے طور پر دو تا کہ وقت پر اگر تم نے پیسے ادا نہیں کیے تو میں اس رہن سے وصول کر سکوں، یہ شرط بھی ملائم عقد ہے اور جائز ہے۔

اسی طرح اگر شرط مقتضائے عقد نہ ہو اور نہ بظاہر ملائم عقد ہو لیکن متعارف ہو گئی ہو، یعنی تجار کے درمیان اس شرط کے ساتھ بیع کا رواج اور تعامل ہو گیا ہو، تو ایسی شرط بھی جائز ہے۔ علامہ شامی وغیرہ نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق اس کی چند مثالیں لکھی ہیں، مثلاً چمڑا خرید کیا اور شرط لگا دی کہ بائع اس کے جوتے بنا دے، اون خرید کیا بشرطیکہ اس کی ٹوپی بن دے، پرانہ کپڑا یا موزہ خرید کیا بشرطیکہ اس میں پیوند لگا دے، تو یہ سب صورتیں باوجودیکہ عقد کے مقتضی وملائم کے خلاف ہیں بوجہ تعامل جائز ہیں۔ (۱)

فی زمانہ اس کی مثالیں درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا؛ فریج وغیرہ خریدنے میں چند مہینوں تک فری سروس کی شرط لگانا؛ یا گیرنٹی یا وارنٹی کے ساتھ کوئی چیز خریدنا وغیرہ ہیں... کہ یہ بوجہ تعامل وتعارف کے جائز ہیں۔

اور جو شرط نہ مقتضائے عقد کے موافق ہو اور نہ ملائم عقد کے اور نہ لوگوں میں متعارف ہو اور اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو تو وہ جائز نہیں اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ نزاع کا سبب ہے۔ اور مبیع کے اہل استحقاق سے مراد یہ ہے کہ وہ آدمی ہو چنانچہ اگر جانور بیچا اور یہ شرط لگائی کہ تم اس پر سوار نہیں ہوں گے یا فلاں چارہ کھلاؤ گے تو یہ شرط لغو ہے اس سے بیع

(۱)(الدر والشامی: ۲۸۶/۷)

فاسد نہ ہوگی، کیونکہ جانور اہل استحقاق میں سے نہیں، اگر مشتری وہ شرط پوری نہیں کرے گا تو اس سے جھگڑے گا نہیں۔ [۱]

۲۸۴-**ضابطہ**: ہر قسم کے عیب سے براءت کی شرط پر بیچنا صحیح ہے۔ [۲]

تشریح: کیونکہ اس میں کوئی نئی چیز کے وجود کی شرط نہیں لگائی گئی، بلکہ مشتری اپنا ایک حق اور وہ وصف سلامتی ہے کو ساقط کرتا ہے اور وہ اس شرط پر بیع کیلئے راضی ہے۔ اور آدمی کو اپنا حق ساقط کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے، پس اس طرح بیع جائز ہوگی۔ اب مبیع میں جو بھی عیب پایا جائے خواہ وہ عقد سے پہلے کا ہو یا بعد کا، چھوٹا ہو یا بڑا بائع اس عیب سے بری ہوگا، مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے مبیع واپس نہیں کرسکتا ہے، اور نہ ثمن کم کرواسکتا ہے۔ [۳]

۲۸۵-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو عقد میں بلاشرط کے داخل ہوجاتی ہے مشتری جب اس کی شرط لگائے تو اس کا موجود ہونا ضروری نہیں (نہ ہو تب بھی عقد جائز ہے) اور جو چیز عقد میں بغیر شرط کے داخل نہیں ہوتی اس کا موجود ہونا ضروری ہے، ورنہ عقد جائز نہ ہوگا۔ [۴]

جیسے بائع نے زمین کو بیچا اس شرط پر کہ اس میں درخت موجود ہیں یا یہ جانور بیچا

---

(۱) الأصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لایقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لأحدهما أو فیه نفع لمبیع هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن یکون آدمیا فلو لم یکن کشرط أن لایرکب الدابة المبیع لم یکن مفسداً .(الدرالمختار علی هامش رد المحتار :۷/ ۲۸۲-۲۸۳)

(۲) وصح البیع بشرط البراء ة من کل عیب ...الخ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة : ۱/ ۳۷۳) (۳) (مستفاد شامی: ۷/ ۲۱۸)

(۴) والأصل فیه أن مایدخل فی العقد بلا شرط إذا شرط وعدم فإن العقد یجوز ومالایدخل بلا شرط إذا شرط ولم یوجد لم یجز (شامی :۷/ ۱۴۵)

اس شرط پر کہ اس کے پیٹ میں حمل ہے تو درخت اور حمل کا موجود ہونا ضروری نہیں، نہ ہو تب بھی عقد جائز رہے گا، کیونکہ زمین کی بیع میں درخت اور جانور کی بیع میں حمل بلا ذکر کے بھی داخل ہوتے ہیں (البتہ وصف مرغوب فیہ کے فوت ہونے سے اس میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو کل ثمن کے عوض خریدے یا ترک کردے)[1]

اور اگر گھر کو بیچا اس شرط پر کہ اس میں بیڈ، پلنگ، بستر، برتن وغیرہ بھی ہیں، تو اگر یہ سامان موجود ہے تو عقد جائز ہے ورنہ جائز نہیں، کیونکہ مذکور سامان بلا شرط لگائے گھر کی بیع کے تحت نہیں آتا۔

۲۸۶- **ضابطہ**: مبیع میں وصف مرغوب کی شرط لگانا درست ہے اور اس کے فوت ہونے پر مشتری کو خیار حاصل ہوگا (برخلاف وصف غیر مرغوب کے کہ اس میں خیار حاصل نہ ہوگا)

تشریح: پس بکری یا بھینس خریدی اس شرط پر کہ دُودھیل (دودھ دینے والی) ہے، یا گاڑی خریدی اس شرط پر کہ تیز رفتا ہے، تو یہ وصف مرغوب کی شرط ہے اور درست ہے، اس کے فوت ہونے پر مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔

برخلاف غیر مرغوب کے جیسے بائع نے کہا یہ جانور لنگڑا ہے یا کانا ہے اور وہ اس کے خلاف نکلا تو اس میں مشتری کو کوئی خیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ بائع کے بیان کئے ہوئے وصف میں اس کے لئے کوئی رغبت نہیں بلکہ رغبت اس کے خلاف میں ہے، اور بائع کا وصف بیان کرنے سے مقصد اپنی براءت ہے، یعنی لنگڑا یا کانا نکلا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں۔[2]

---

(۱) باع أرضاً على أن فيه نخيلاً أو داراً على أن فيه بيوتاً ولم يكن فإنه يجوز العقد ويخير المشترى أخذه بكل الثمن أو ترك. (شامی: ۱۴۵/۷) (۲) (لأن هذا وصف مرغوب فيه) وهو ظاهر وهو احتراز عما ليس بمرغوب فيه كما إذا باع على أنه أعور فإذا هو سليم لأنه لا يوجب الخيار (بنايه فى شرح الهدايه: ۱۱۳/۷)

استدارک: لیکن اگر بکری یا بھینس خریدی اس شرط پر کہ وہ حاملہ ہو یا اتنا لیٹر دودھ دیتی ہو، یا غلام خریدا اس شرط پر کہ روزانہ اتنے صفحات کی کتابت کرتا ہو، یا گاڑی خریدی اس شرط پر کہ فی لیٹر تیل اتنے کلومیٹر کی ایوریج دیتی ہو تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں شرط فاسد کا ذکر ہے وصف کا نہیں، اس لئے کہ جانور کے پیٹ میں کیا ہے اس کی حقیقت معلوم نہیں، اسی طرح تھنوں میں دودھ کی مقدار اور غلام کے صفحات لکھنے اور گاڑی کی ایوریج دینے کی مقدار بھی فی الحال جانی نہیں جاسکتی ہے، اور مبیع میں جب جہالت ہو یا اس کے کسی جزو میں جہالت ہو تو بیع فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ جزو کی جہالت کل کی جہالت کے مانند ہے۔ (۱)

البتہ اگر ان چیزوں کا صرف بیع میں تذکرہ ہو شرط کے طور پر بیان نہ کیا جائے، یعنی میں اسی شرط پر خریدتا ہوں مشتری نے یہ نہ کہا ہو تو پھر بیع فاسد نہ ہوگی۔

۲۸۷- **ضابطہ**: جو چیز تاجروں میں معروف ہوتی ہے وہ ان کے آپس میں

---

(۱) بخلاف شرائه شاة على أنها حامل أو تحلب كذا رطلاً أو يخبز كذا صاعاً أو يكتب كذا قدراً فسد لأنه شرط فاسد لاوصف. (الدر المختار) (لأنه شرط فاسد) لأنه زيادة مجهول لعدم العلم بها. فتح: أى لأن مافى البطن والضرع لاتعلم حقيقته. (شامى: ۷/ ۱۴۳) وفى البناية: وينقض بماإذا با ع شاة على أنها حامل أو على أنها تحلب كذا فإن البيع فيه فاسد والوصف موغوب فيه، وأجيب بأن ذالك ليس بوصف بل اشترط مقدر من البيع مجهول وضم المجهول إلى المعلوم يصير الكل مجهولاً، ولهذا إذا شرط أنها حلوب أولبون لاتفسد لكونه وصفاً مرغوباً فيه ذكره الطحاوىؒ، سلمناه ولكنه مجهول ليس فى وسع البائع تحصيله ولاإلى معرفته سبيل بخلاف مانحن فيه، فإن له أن يأمره بالخبز والكتابة فيظهر حاله. (بنايه فى شرح الهدايه: ۱۱۳/۷)

شرط کے مانند ہوتی ہے۔[1]

جیسے اگر کسی جگہ تاجروں میں یہ عرف ہو کہ بڑے تاجروں سے مال لینے کے بعد اس کا پیمینٹ (ادائیگی ثمن) ایک ہفتہ میں کرتے ہوں تو اب وہ جب بھی آپس میں بیع کریں گے ان کی بیع ایک ہفتہ تک کے لئے مؤجل ہوگی، پس بائع کا ہفتہ سے پہلے ثمن کا مطالبہ اور مشتری کا ثمن ادا کرنے میں ہفتہ سے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہ ہوگا، خواہ عقد میں ہفتہ کی شرط ہو یا نہ ہو، کیونکہ تاجروں میں جو عرف رائج ہوتا ہے وہ (عقد میں) شرط کے مانند ہے۔

اسی طرح اگر ان کا یہ عرف ہو کہ مال کے پہنچانے کے اخراجات مشتری پر لازم ہیں، تو اب مشتری کے ذمہ اخراجات آئیں گے، خواہ عقد میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔

ادھار خرید وفروخت

۲۸۸- **ضابطہ**: بیع مؤجل (ادھار بیع) میں بائع کا ثمن پر مطالبہ کا استحقاق اجل (طے شدہ مدت) سے پہلے قائم نہیں ہوتا، جبکہ بیع حال میں عقد کے فوراً بعد قائم ہوجاتا ہے۔[2]

تفریع: آج کل روزمرہ دکانوں میں جو ہوتا ہے کہ کوئی چیز خرید کر کہتے ہیں ”پیسے بعد میں دے دیں گے“ کب دیں گے؟ یہ طے نہیں ہوتا، یہ بیع موجل نہیں ہے، اس کو اگر بیع مؤجل قرار دیں گے تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں اجل مجہول ہے اور اجل کی جہالت سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، لیکن یہ بیع حال ہے اور بائع کی طرف سے اس کو

(۱) المعروف بين التجار كالمشروط بينهم. (قواعد الفقه، ص: ۱۲۵، قاعده: ۳۳۵)

(۲) (مستفاد: بدائع الصنائع: ۴/ ۳۹۳-۳۹۴، اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب) : ۴ / ۱۷۴)

مہلت دی گئی ہے، مگر اس مہلت کے بعد بھی فوری مطالبہ کا حق اس کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے وہ جب چاہے ثمن وصول کرسکتا ہے، برخلاف بیع موجل کے کہ اس میں معینہ مدت سے پہلے بائع کے لئے مطالبہ کا استحقاق قائم نہیں ہوتا۔

۲۸۹- **ضابطہ**: مشتری کی موت سے بیع میں تاجیل ختم ہوجاتی ہے، بائع کی موت سے ختم نہیں ہوتی۔ (شامی: ۵۳/۷)

تشریح: پس اگر بیع میں ثمن کی ادائیگی کی کوئی مدت مقرر کی تھی تو اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے اگر بائع کا انتقال ہوجائے تو مدت ختم نہ ہوگی، بائع کے ورثاء وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اس سے مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر مشتری کا انتقال ہوجائے تو وہ مدت ختم ہوجائے گی، بائع اس کے ترکہ میں سے فوری مطالبہ کرسکتا ہے، کیونکہ مشتری ثمن کا مدیون ہے، اور بائع (حکماً) دائن ہے۔ اور مدیون کی موت سے اجل (مدت) ختم ہوجاتی ہے، نہ کہ دائن کی موت سے۔[1]

۲۹۰- **ضابطہ**: بیع میں ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہوں تو بیع درست نہ ہوگی۔[2]

تشریح: کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی (بیع الدین بالدین) ہے اور حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے۔[3]

فائدہ: اصل تو یہ ہے کہ بیع میں ثمن اور مبیع دونوں نقد ہوں، کسی طرف سے بھی ادھار نہ ہو، لیکن شریعت نے انسانی ضرورت کی بنا پر ایک جانب سے ادھار کی گنجائش رکھی ہے۔ چنانچہ اگر مبیع نقد ہو اور ثمن ادھار ہو تو یہ بیع ''تاجیل'' یا ''مؤجل'' ہے اور مبیع ادھار ہو اور ثمن نقد ہو تو یہ بیع ''سلم'' ہے۔

❁ ❁ ❁

---

(۱)(شامی : ۷/ ۵۳، ملخصاً)

(۲)وإن كان كلاهما ديناً لم يجز .(هنديه : ۳/ ۱۳)

(۳)(هدايه : ۳/ ۸۱)

بیع فاسد اور باطل کا بیان

۲۹۱-ضابطہ: ہر وہ خلل جو رکن بیع میں ہو وہ بیع کو باطل کرتا ہے اور جو غیر رکن میں (یعنی وصف وغیرہ میں) ہو وہ بیع کو فاسد کرتا ہے۔ (۱)

تشریح: بیع کا رکن ایجاب وقبول ہے، اس میں خلل (نقصان) دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ وہ رکن غیر اہل سے صادر ہو بایں طور کے اس کو کرنے والا ناسمجھ بچہ یا مجنون ہو۔ دوسرے یہ کہ اس (رکن) کا تعلق غیر محل سے ہو یعنی ایسی چیز سے ہو جس کو کسی آسمانی مذہب میں مال تسلیم نہ کیا گیا ہو جیسے، مردار، شراب، آزاد وغیرہ ——— پس ناسمجھ بچہ اور مجنون کا بیع کرنا باطل ہے، اسی طرح مرادار، شراب، خنزیر وغیرہ کو (بحیثیت مبیع) فروخت کرنا باطل ہے۔

غیر رکن میں خلل سے مراد یہ ہے کہ بیع اپنے اصل کے لحاظ سے تو درست ہو، لیکن اس کے کسی وصف میں فساد آ گیا ہو، جیسے مبیع غیر مقدور التسلیم ہو یا اس میں ایسی کوئی شرط لگائی گئی ہو جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔ (۲)

ملحوظہ: علماء نے عبادات میں فاسد اور باطل کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، یہ فرق معالات اور نکاح میں کیا ہے، اور اس میں بھی کبھی مجازاً ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیتے ہیں، پس قرائن سے اس پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ (۳)

---

(۱) وکل مأورث خللاً فی رکن البیع فهو مبطل، ومأورثه فی غیره فمسد. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار :۷/ ۲۳۴) یفرق بین الفساد اذا دخل وبین اذا دخل فی علقة من علائقه. (قواعد الفقه، ص: ۴۱۸ – قاعده: ۱۴۳)

(۲) (مستفاد شامی :۷/ ۲۳۴ – تقریرات الرافعی :۱۳۷)

(۳)......وقد یطلق الفاسد بمعنی الباطل مجازاً ...أن أئمتنا لم یفرقوا فی العبادات بینهما وإنما فرقوا فی المعاملات، ح. (شامی: ۲/ ۱۴۶، مطلب واجبات الصلوٰة)

۲۹۲-**ضابطہ**: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، برخلاف بیع باطل میں، کہ اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس بیع فاسد سے خرید کردہ گھر کے پاس کوئی گھر بیچا جائے تو اس میں مشتری کو حق شفعہ حاصل ہوگا، جبکہ بیع باطل سے خرید کردہ گھر میں حق شفعہ ثابت نہ ہوگا۔
لیکن بیع فاسد میں خود اس مبیع فاسد میں پڑوسی کے لئے کوئی شفعہ ثابت نہ ہوگا، کیونکہ بائع کا حق اس مبیع سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوا، اس کو واپس لینے کا حق ہے۔
حاصل یہ کہ مبیع فاسد دوسرے میں تو شفعہ ثابت کرے گی، لیکن خود اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا۔ (۲)

(۲) اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو بیع باطل کی صورت میں اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا، کیونکہ وہ مبیع اس کے پاس بطور امانت تھی، اس لئے کہ جب عقد باطل ہوگیا تو بائع کی اجازت سے محض قبضہ باقی رہا اور یہ ضمان کا موجب نہیں، مگر یہ کہ تعدی ہو۔ اور بیع فاسد میں ضمان لازم ہوگا، کیونکہ اس میں اگرچہ مشتری کی ملکیت ثابت ہوگئی تھی لیکن وہ ملک خبیث تھی، اس کو واپس کرنا اس کے ذمہ لازم تھا، اور اس کو امانت بھی نہیں قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ عقد اپنے اصل کے لحاظ سے درست تھا۔

ضمان سے مراد اگر وہ چیز مثلی ہے تو مثل دینا لازم ہے ورنہ قبضہ کے وقت اس کی جو

---

(۱) (الدر المختار علی ھامش رد المحتار : ۷/ ۲٤٦ - ۲۹۱)

(۲) لواشتری داراً شراء فاسدً وقبضها لایثبت للجاری حق الشفعة ...... (ولاشفعة بها) هذا سبق نظر، لأن الذی ...... فی الجوهرة هکذا: وإذا کان المشتری داراً فبیعت داراً إلی جنبها تثبت الشفعة للمشتری...... ولاتجب فیها شفعة للشفیع...... الخ (شامی : ۷/ ۲۸۹)

قیمت تھی وہ قیمت دینا لازم ہے۔ (۱)

مستثنیات: مگر تین مسائل مستثنیٰ ہیں، ان میں بیع فاسد سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور وہ یہ ہیں:

۱- جو بیع مذاقاً کی گئی وہ فاسد ہے، مگر اس میں مشتری کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

۲- باپ نے اپنے مال سے چھوٹے بچے کیلئے بیع فاسد سے کوئی چیز خریدی، تو جب تک وہ بچہ اس چیز کو استعمال نہ کرے اس میں بچہ کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی (کیونکہ اس چیز پر باپ کا قبضہ حاصل ہے، تو اب بچہ کے لئے اس کا استعمال ضروری ہے تاکہ نیا قبضہ متحقق ہو)

۳- اسی طرح باپ نے بچہ کے مال میں سے اپنے لئے کوئی چیز خریدی تو اس میں بھی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

پس ان تین صورتوں میں مشتری کے قبضہ میں مبیع فاسد بطور امانت رہے گی۔ (۲)

فائدہ: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد مشتری کے لئے ملکیت کے تمام احکام: حق

---

(۱) والبيع الباطل حكمه عدم ملك المشترى إياه إذا قبضه فلا ضمان لو هلك المبيع عنده لأنه أمانة ......فى البيع الفاسد ...... بمثله إن مثلياً وإلا فبقيمته يعنى إن بعد هلاكه أو تعذره يوم قبضه لأن به يدخل فى ضمانه (الدرالمختار على هامش رد المحتار :۷/ ۲۸۷-۲۹۰)

(۲)......ملكه إلا فى ثلاث :فى بيع الهازل ،وفى شراء اللأب من ماله لطفله أوبيعه له كذالك فاسداً لا يملكه حتى يستعمله والمقبوض فى يد المشترى أمانة لايملكه به (الدرالمختار)وفى شراء الأب......الخ وقعت هذه العبارة كذالك فى البحر والأشباه عن المحيط، وصوابها:وفى شراء الأب من مال طفله لنفسه فاسداً أوبيعه من ماله لطفله كذ الك .(شامى:۷/ ۲۸۸-۲۹۰)

شفعہ وغیرہ ثابت ہوجاتے ہیں، مگر یہ پانچ احکام ثابت نہیں ہوتے: (۱) اس کا کھانا حلال نہیں ـــــ (۲) اس کا پہننا جائز نہیں ـــــ (۳) اس سے وطی کی اجازت نہیں ـــــ (۴) بائع کا اس سے شادی کرنا جائز نہیں ـــــ (۵) اس میں حق شفعہ ثابت نہ ہوگا (لیکن اس مبیع فاسد کی وجہ سے مشتری کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا، جیسا کہ گذر چکا)(۱)

۲۹۳-**ضابطہ**: مشتری مبیع فاسد کو بائع کے پاس ہبہ، صدقہ، بیع وغیرہ خواہ کسی بھی صورت میں لوٹائے، تو یہ بیع کو ترک کرنا ہے، اس سے وہ اپنے ضمان سے نکل جائے گا۔(۲)

تشریح: بیع فاسد کا ترک کرنا متعاقدین پر لازم ہے، اس میں مبیع کا استعمال مشتری کے لئے اور ثمن کا استعمال بائع کے لئے جائز نہیں، لیکن جب تک مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اس کا ضمان (RISK) مشتری پر رہتا ہے، تا آنکہ بیع کو ترک نہ کیا جائے، اور بیع ترک کرنے میں کوئی خاص صورت لازم نہیں، بلکہ ہبہ، صدقہ، بیع، اعارۃ، اجارہ وغیرہ خواہ کسی بھی طریق سے مبیع جب بائع کے پاس پہنچ جائے تو بیع کا ترک مان لیا جائے گا، اب وہ چیز بائع کی ہوجائے گی اور مشتری اپنے ضمان سے نکل جائے گا۔

۲۹۴-**ضابطہ**: جب کسی عقد میں فساد اور صحت دونوں جہتیں ہوں تو متعاقدین

---

(۱) وإذاملکه تثبت کل أحکام الملك إلا خمسة :لایحل له أکله، ولالبسه، ولاوطؤها، ولاأن یتزوجها منه البائع، ولا شفعة لجاره لوعقاراً. (الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۷/ ۲۸۹)

(۲) کل مبیع فاسد رده المشتری علی بائعه بهبة أو صدقة أو بیع أو بوجه من الوجوه کأعارة وإجارة وغصب،ووقع فی ید بائعه فهو متارکة للبیع وبرء المشتری من ضمانه. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار : ۷/ ۲۹۱)

جب تک جہت فساد کی صراحت نہ کریں بیع کو صحت کی طرف لوٹایا جائے گا۔[۱]

جیسے دس کلو چاندی اور دس کلو زیتون کو آٹھ کلو چاندی اور بارہ کلو زیتون کے عوض بیچا اور عاقدین نے صراحت کردی کہ چاندی چاندی کے عوض ہے اور زیتون زیتون کے عوض تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ اس میں جہت فساد جس میں ربا لازم آتا ہے کی صراحت کردی گئی ہے۔ لیکن اگر وہ صراحت نہ کرتے تو بیع کو صحت کی طرف لوٹا دیا جاتا اس طرح کہ چاندی کو زیتون اور زیتون کو چاندی کے عوض مان لیا جاتا، جس میں کوئی فساد نہیں۔

۲۹۵- **ضابطہ**: قبل القبض مبیع کا ہلاک ہونا بیع کو فاسد کردیتا ہے، جبکہ ثمن کا ہلاک ہونا فاسد نہیں کرتا۔[۲]

تشریح: کیونکہ مبیع کا متعین ہونا ضروری ہے، اور ثمن کے لئے یہ ضروری نہیں، بلکہ ثمن تو متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتا۔

۲۹۶- **ضابطہ**: شرط فاسد سے بیع کا فساد اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس شرط کا ذکر عقد میں ہو، عقد سے پہلے یا بعد میں ذکر سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔[۳]

جیسے عقد ہوگیا اس کے بعد بائع نے کہا جب تم کو یہ چیز (یعنی مبیع) بیچنے کا ارادہ ہو

(۱) المتعاقدان إذا صرحا بجهة الفساد فهو كما صرحا وإلا صرف إلى الصحة (قواعد الفقه، ص: ۱۱۸-قاعده: ۳۰۵)

(۲) ان هلاك المبيع قبل القبض يوجب فسخ العقد وهلاك الثمن لايوجبه (االجوهرة النيرة: ۱/ ۲۳۹)

(۳)......وبه أفتى فى الخيرية وقال: فقد صرح علماؤ نابأنهمالو ذكر البيع بلا شرط ثم ذكرا الشرط على وجه العدة جاز البيع ولزم الوفاء بالوعد......فى جامع الفصولين أيضاً: لو شرط شرطاً فاسداً قبل العقد ثم عقد لم يبطل العقد (شامى: ۷/ ۲۸۱)

تو مجھے ہی بیچنا اور کسی کو نہیں، مشتری نے اس کو تسلیم کرلیا تو اس سے بیع میں کوئی فساد نہ آئے گا، لیکن اگر عقد میں اس کو شرط کے طور پر ذکر کیا جاتا تو بیع فاسد ہو جاتی۔

اسی طرح بیع بالوفاء (کہ اس میں بائع کی طرف سے اس شرط پر بیع کی جاتی ہے کہ جب رقم میرے پاس آجائے گی تو میں اس کو اتنے میں ہی واپس خرید لوں گا) جائز نہیں، لیکن اس میں اگر شرط فاسد کا ذکر عقد کے بعد ہو تو کوئی حرج نہیں، پھر وہ بیع بالوفا نہ رہے گی۔ (۱)

۲۹۷- **ضابطہ**: بیع فاسد و باطل اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک پہلے عقد کو ختم کر کے دوبارہ عقد نہ کیا جائے۔ (۲)

تشریح: پس بیع تعاطی کے ذریعہ بیع فاسد کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ فاسد کو متضمن ہونے والی چیز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی نے بیع سلم میں مدت مجہول رکھی تو وہ بیع فاسد ہے، پھر بائع نے مبیع حوالہ کردی تو بیع بالتعاطی مان کر اس کو صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ وہ دونوں اسی سابقہ عقد پر سپردگی کو تسلیم کرتے ہیں، اور سابقہ عقد فاسد تھا تو اس پر مبنی چیز (بیع تعاطی) بھی فاسد ہوگی۔ (۳)

بلکہ صراحتاً دوبارہ ایجاب قبول کیا جائے تب بھی بیع فاسد صحت میں نہیں پلٹتی جب تک پہلی بیع کو ختم نہ کیا جائے، جیسے بیع فاسد کے طور پر کپڑا خریدا دوسرے دن مشتری کی بائع سے ملاقات ہوئی اس نے کہا تم نے مجھے وہ کپڑا اتنے میں بیچا ہے، بائع نے کہا: ہاں بیچا ہے، مشتری نے کہا ٹھیک ہے میں نے وہ خرید لیا تو یہ بیع اب بھی فاسد ہے، کیونکہ انہوں نے پہلی بیع کو فسخ نہیں کیا۔ اگر پہلی بیع کو فسخ کر دیتے تو آج

---

(۱)(شامی: ۷/ ۲۸۱) (۲) أن الإيجاب والقبول بعد عقد فاسد لا ينعقد بهما البيع قبل متاركة الفاسد..الخ (الدر المختار على هامش ردالمحتار : ۷/ ۲۸)

(۳)والبزازية :إن التعاطى بعد عقد فاسد أو باطل لاينعقد به البيع لأنه بناء على السابق وهو محمول على ماذكرناه .(اشامی : ۷/ ۲۹)

یہ بیع جائز ہوتی۔ [1]

البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب مجلس میں وجہ فساد ختم ہو جائے تو تعاطی سے بیع صحیح ہو جاتی ہے، جیسے کسی نے کوئی چیز اس پر لکھی ہوئی قیمت کے عوض خریدی (اس کو بیع بالرقم کہتے ہیں) اور اس کو معلوم نہیں کہ اس پر کیا قیمت لکھی ہوئی ہے تو ثمن کے مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں مشتری کو کسی طرح قیمت کا علم ہو جائے تو مجلس میں وجہ فساد ختم ہونے سے وہ بیع تعاطی کے طور پر صحیح ہو جائے گی۔ [2]

مکروہات بیع کا بیان

۲۹۸-**ضابطہ**: جو بیع کسی شرعی حکم کی ادائیگی میں مخل ہو یا اس میں باہمی رقابت ومنافست یا دھوکا دہی ہو وہ مکروہ ہے۔

جیسے اذان جمعہ کے بعد اس طرح خرید وفروخت کرنا کہ اس کی وجہ سے مسجد پہنچنے میں تاخیر ہو جائے مکروہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے سودا کر رہا ہو اور ابھی اس کی بات مکمل نہ ہوئی ہو کہ

---

(۱) یتفرع علیه مافی الخانیة: لو اشتری ثوباً شراءً فاسداً ثم لقیه غداً فقال قد بعتنی ثوبك هذا بألف درهم فقال بلی فقال قد أخذته فهو باطل، وهذا علی ماکان قبله من البیع الفاسد، فإن کانا تتارکا البیع الفاسد فهو جائز الیوم(شامی: ۷/ ۲۹)

(۲)وظاهر هذا عدم اشتراط متارکة الفاسد ،وقد یجاب علی بعد بحمل الاشتراط علی ماإذا کان التعاطی بعد المجلس أما فیه فلایشترط کما هنا ...... وماذکره عن الحلوانی فی البیع بالرقم جزم بخلافه فی الهندیة آخر باب المرابحة، وذکر أن العلم فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتأخیر القبول إلی آخر المجلس، وبه جزم فی الفتح هنا لك أیضاً.(شامی : ۷/ ۲۹)

اس سے پہلے دوسرا گاہک اس سے زیادہ قیمت بیان کرے اور تاجر کو اپنی طرف متوجہ کرے، یہ مکروہ ہے، حدیث شریف میں اس کو "بیع علی بیع اخیه" اور "سوم علی سوم اخیه" (اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا، اور اپنے بھائی کے سودے پر سواد کرنا) سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اس میں رقابت ومنافست ہے اور پہلے گاہک تکلیف پہنچانا ہے ــــــ ہاں اگر وہ اپنی بات مکمل کرلے اور اس کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو پھر بات کرنے میں حرج نہیں، منگنی یعنی رشتۂ نکاح کا حکم بھی یہی ہے۔ اسی طرح اگر ابھی بات شروع نہ ہوئی ہو اور بائع کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ جو زیادہ قیمت دے گا میں اس کو دوں گا تو اس وقت بھی حرج نہیں۔

اور دھوکا دہی کی صورت یہ ہے کہ: مثلاً بائع نے کسی شخص کو متعین کردیا کہ گاہک دیکھ کر اجنبی بن جانا اور اس چیز کی خرید کا مطالبہ کرنا اور زیادہ قیمت میں لے لینا حالانکہ حقیقت میں ہم دونوں کے درمیان بیع نہ ہوگی، بلکہ گاہک کو ایک طرح کا دھوکا دیں گے کہ وہ ہمارا معاملہ دیکھ کر زیادہ قیمت میں خریدے، یا کم از کم اس کا اچھا بازار دیکھ کر نفس خریدنے کیلئے تیار ہوجائے۔ یا جیسے بائع سامان کی تعریف میں ایسے اوصاف بیان کرے جو اس میں نہ ہوں، تاکہ مشتری دھوکے میں آکر خریدلے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور دھوکا دہی کی صورت اختیار کرے، تو ان سب صورتوں میں بائع کی جانب میں بیع مکروہ ہے، اور اگر مشتری بائع کے ساتھ کوئی ایسا دھوکا کرے تو پھر اس کی جانب بیع مکروہ ہوگی۔ (۱)

۲۹۹- **ضابطه**: غیر مسلموں کی وہ مذہبی چیزیں جن میں ان کیلئے ذلت ہو بیچنا جائز ہے۔

تشریح: پس نصاری کا زنار، مجوس کی ٹوپی اور سادھوؤں کا لباس وغیرہ بیچنا درست

(۱) (مستفاد هدایه: ۳/ ٦٦- ٦٧ - بنایه: ۷/ ۲۷۷/ ۲۸۰، شامی: ۷/ ۳۰۴ - ۳۰۵)

ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کے نزدیک ان باطل مذہبوں کا شعار کوئی اعزاز کی چیز نہیں، بلکہ وضع کے اعتبار سے اس میں ان کی تذلیل ہے۔[۱]

مگر فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ ایسی تجارت سے اجتناب و احتیاط بہتر ہے۔[۲]

اسباب معصیت کی بیع

۳۰۰-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو کسی معصیت کا سبب بنے تو اگر اس کا کوئی جائز استعمال نہ ہو تو اس کو بیچنا جائز نہیں، اور جس کا کوئی جائز استعمال بھی ہو تو اس کو بیچنا جائز ہے۔

جیسے مورتیاں، مجسمے، بینڈ باجہ، تاش کے پتے، فلم کی سی ڈیاں وغیرہ وہ چیزیں جن کا جائز طریقہ پر استعمال بالکل نہیں ہوتا بیچنا جائز نہیں۔

اور جس شئ کا کوئی جائز استعمال موجود ہو، اگرچہ وہ عام طور سے ناجائز کام میں استعمال ہوتی ہو، جیسے ریڈیو، کیمرہ، افیون، مہوا اور نشہ آور پتے، نردوھ، مانع حمل داوائیں، تصویر والے کپڑیں اور وہ کپڑے جو غیر مسلم پہنتے ہیں، وغیرہ ...کا بیچنا جائز ہے (البتہ اگر خریدنے والا مسلمان ہو اور یہ علم ہو کہ یہ اس کو ناجائز کام میں ہی استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ ایسی چیز بیچنا مکروہ تحریمی ہے)[۳]

---

(۱)لایکره بیع الزنانیر من النصرانی، والقلنسوة من المجوسی ،لأن ذلك إذلال لهما(شامی :۹/۵۶۲،کتاب الحظروالإباحة--و تبیین الحقائق: ٤/ ٦٥، کتاب الکراهیة، فصل فی بیع)(۲)(فتاویٰ محمودیه : ۱۶/۱۳۸)

(۳)(مستفاد:جواهر الفقه:۲/ ٤٥١ تا٤٥٦--اسلام اورجدیدمعاشی مسائل (مفتی تقی صاحب):٤/ ۱۱ تا ۱۷--فتاوی محمودیه:۱۶/ ۱۲۰ تا۱۵۰ -- والضابط عندهم أن کل مافیه منفعة تحل شرعاً،فإن بیعه یجوز،لأن الأعیان خلقت لمنفعة الانسان .الفقه الاسلامی وأدلته : ٥/ ۳٤۳۱--کل ماینتفع ←

استدارک: شراب کا بھی اگر چہ جائز استعمال موجود ہے، کہ اس کو سرکہ بنایا جا سکتا ہے، لیکن نص قرآنی: ﴿رجس من عمل الشیطن﴾ کی وجہ سے اس میں یہ اصول مؤثر نہ ہوگا اور اس کی بیع قطعاً حرام ہوگی۔

فائدہ: افیون، بھنگ، ہیروئن اور الکحل (جو آج کل کیمیائی طریقے سے بنایا جاتا ہے) نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ضرور ہے، لیکن حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ چیزیں خمر (شراب) کی تعریف میں نہیں آتیں، پس ان کی حرمت شراب سے کم درجہ کی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شراب پینے والے پر حد جاری کی جاتی ہے اور افیون وغیرہ کھانے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے، البتہ تعزیری سزا دی جاتی ہے۔[1] پس بیع کے حکم میں بھی فرق ہوگا، کہ افیون وغیرہ کی بیع ان کا جائز استعمال دواؤں کے اندر اور علاج میں بیرونی استعمال لیپ وغیرہ ممکن ہونے کی وجہ سے جائز ہوگی[2] اور شراب کہ بیع ممانعت نص قطعی کی وجہ سے بالکل جائز نہ ہوگی۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ افیون، بھنگ وغیرہ کی بیع کی جواز کا مسئلہ صرف معلومات کی حد تک ہونا چاہئے، اس پر فتویٰ نہیں دینا چاہئے تاکہ فتنہ پرور لوگ اس میں اپنا مقصد نہ

← به فجائز بيعه والاجارة عليه القواعدالفقهية :۱۲۸ – وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذ خمراً......وقيل يكره لإعانته على المعصية ،ونقل المصنف عن السراج : والمشكلات أن قوله "ممن" أى من كافر ،أما بيعه من المسلم فيكره ومثله فى الجوهرة..الخ (الدرالمختار) وفى الشامية :(ممن يعلم)فيه إشارة إلى أنه لو لم يعلم لم يكره بلا خلاف(شامى : ۹/ ۵۶۰،كتاب الحضر والإباحة)

(۱)(ويحرم أكل البنج والحشيشة والأفيون لكن دون حرمة الخمر ،فإن أكل شيئاً من ذالك لاحد عليه بل يعزر بما دون الحد .الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر :۲۵۱/۴ كتاب الأشربة)(۲)(احسن الفتاوىٰ:۴۹۴/۶)

نکالیں، جیسا کہ فقہاء نے کاشت کی محصول کے مسئلہ میں ”کہ اگر زمین میں عمدہ چیز اگانے کی صلاحیت تھی لیکن زمین دار نے گھٹیا چیز اگائی تو اس سے عمدہ کاشت کا محصول لیا جائے گا“ لکھا ہے کہ یہ مسئلہ صرف معلومات کی حد تک رکھا جائے اس پر فتوی نہ دیا جائے، تا کہ اس کے بہانے سے ظالم حکمراں لوگوں کے پاس سے ظلماً مال وصول نہ کرنے لگ جائیں۔ (۱)

اس بات کو مفتی تقی صاحب مدظلہ العالی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: فرماتے ہیں: ”ٹی وی وغیرہ کی بیع اگر چہ درست ہے لیکن اس کا کاروبا نہیں کرنا چاہئے، جیسے کسب الحجام کے متعلق آپ...... سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”**کسب الحجام خبیث**“ لیکن ناجائز نہیں فرمایا، شرعاً جائز ہے، ساتھ یہ فرمایا کہ یہ پیشہ اچھا نہیں، اسی طرح ٹی وی اور افیون وغیرہ کی بیع کا پیشہ اختیا کرنا بھی کوئی اچھا کام نہیں ہے کسی مسلمان کو اس کا مشورہ نہیں دینا چاہئے۔ لیکن بالکل حرام کہنا کہ اس کے نتیجہ میں آمدنی حرام ہوگئی ہے یہ کہنا صحیح نہیں“ (۲)

مشکوک چیزوں کی خرید و فروخت

۳۰۱- **ضابطہ**: محض کسی چیز کے حرام ہونے کے شبہ سے اس کا خریدنا ناجائز نہ ہوگا (جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو) (۳)

---

(۱) وقالوا إذا زرع صاحب الأرض أرضه ماهو أدنى مع قدرته على الأعلى، وجب عليه خراج الأعلى، قالوا وهذا يعلم ولا يفتىٰ به كيلا يتجرى الظلمة على أخذ أموال الناس. (شرح عقود رسم المفتي ،ص:۱۵۸، دار الكتاب ديوبند)

(۲) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی عثمانی صاحب) : ۱۴/۴)

(۳) (مستفاد مجمع الأنهر: ۴ / ۴۷۶ -اليقين لايزول بالشك .قواعد الفقه ، الأشباه)

تفریعات:

(۱) پس کوئی شخص کسی قیمتی چیز کو بہت کم پیسوں میں بیچ رہا ہے جس سے خریدنے والے کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اس نے یہ چیز چوری یا غصب سے حاصل کی ہوگی تو محض ایسے شبہ سے اس کا خریدنا ناجائز نہ ہوگا، جب تک کہ قرائن سے اس کے حرام ہونے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔[۱]

(۲) اسی طرح بعض چیزیں جس میں بلاتحقیق لوگوں میں محض افواہ کے طور پر اس میں ناجائز اشیاء کی ملاوٹ ہونا کہا جاتا ہے، مثلاً فلاں شکر میں مرادر کی ہڈی ڈالی جاتی ہے، پارلے بسکٹ یا چیونگم میں خنزیر کی چربی ڈالی جاتی ہے وغیرہ...... تو محض ایسی افواہوں کی وجہ سے کسی چیز کی بیع ناجائز نہ ہوگی، جب تک یقینی ومعتبر ذرائع سے وہ بات ثابت نہ ہوجائے۔[۲]

خیارِ شرط کا بیان

تمہید: خیارِ شرط یہ ہے کہ مثلاً بائع یا مشتری یا دونوں اس بات کی شرط لگادیں کہ وہ اس سودے پر مزید غور وفکر کریں گے، پھر سودے کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا ان کو (تین دن تک) اختیار ہوگا۔

۳۰۲- **ضابطہ**: ہر وہ عقد جو لازم نہیں ہوتا یعنی اس میں ہر فریق کو یک طرفہ عقد ختم کرنے کا حق ہوتا ہے (جیسے وکالت، شرکت، وصیت وغیرہ) یا وہ عقد جو لازم تو ہوتا ہے لیکن فسخ کا احتمال نہیں رکھتا (جیسے نکاح، طلاق، یمین، نذر وغیرہ) ان میں خیار

(۱)(حاشیة الطحطاوی علی هامش الدر: ۱۹۲/۴) (۲)......ولذا حل التناول مما فی الأسواق مع أنها لاتخلو عن محرم ومسروق ومغصوب ، فالقلیل من المحرم لایمکن الاحتراز عنه کقلیل نجاسة ......فی الخانیة وغیرها: لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات. (الدرا لمنتقی علی هامش مجمع الأنهر : ۴۷۶/۴)

شرط درست نہیں ہے۔ اور وہ عقد جو لازم بھی ہوتا ہے اور فسخ کو بھی قبول کرتا ہے (جیسے بیع، اجارہ، کھیتی اور پھلوں کی بٹائی، کفالت وغیرہ) ان میں خیار شرط درست ہے۔ (۱)

۳۰۳-**ضابطہ**: خیار شرط کی مدت فقط تین دن ہے، اس سے زائد اختیار درست نہیں۔ (۲)

تشریح: پس اگر کسی نے تین دن سے زیادہ کی شرط لگائی تو وہ معاملہ موتوف رہے گا، اگر تین دن کے اندر فریقین نے معاملہ کی برقراری کا اتفاق کرلیا تب تو معاملہ صحیح ہوجائے گا، ورنہ فاسد ہوجائے گا۔ (۳)

فائدہ: خیار شرط کا عقد میں ہونا ضروری نہیں، عقد کے بعد بھی اگر کسی نے دوسرے کو تین دن کا اختیار دیدیا تو درست ہے، اس کو یہ اختیار عقد کے وقت سے تین دن تک حاصل رہے گا۔ (۴)

۳۰۴-**ضابطہ**: بائع کی جانب خیار شرط مبیع سے اس کی ملکیت ختم نہیں کرتا۔ اور مشتری کی جانب خیار شرط بائع کی ملکیت ختم کردیتا ہے (لیکن مشتری کی ملکیت کو بھی ثابت نہیں کرتا) (۵)

---

(۱)وصح شرطه أيضا فى لازم يحتمل الفسخ كمزارعة ومعاملة وإجارة ......وكتابة وخلع ونحوها ككفالة وحوالة...لافى نكاح وطلاق ويمين ونذر......ووكالة ووصية......الخ (الدرالمختار)وفي الشامية:(لافى نكاح الخ) لأنها لاتحتمل الفسخ......(ووكالة ووصية)فلاخيار فيهما لعدم اللزوم من الطرفين. (شامى:۷/ ۱۱٦)(۲)(هنديه :۳/ ۳۸)

(۳)(مستفادهنديه :۳/۳۸، هدايه :۳/ ۳۰- ۳۱)(۴) ويجوزشرط الخيار بعد البيع كما يجوز شرطه وقت البيع......الخ (هنديه : ۳/ ۳۹)(۵)وخيار البائع يمنع خروج المبيع عن ملكه ......وخيار المشترى لايمنع خروج المبيع عن ملك البائع،إلا أن المشترى لايملكه.(قدورى على الهدايه :۳/ ۳۰)

تفریع: پس خیار کے بعد جب مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہوجائے تو اگر خیار بائع کے لئے تھا تو مشتری اس مبیع کی عام بازار قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس صورت میں مبیع ابھی بائع کے ملک سے خارج نہیں ہوئی تھی۔ اور اگر خیار مشتری کے لئے تھا تو جو ثمن مقرر ہوا تھا مشتری اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بائع کی جانب سے بیع لازم ہوکر مبیع اس کی ملک سے نکل گئی تھی —— اور اگر مبیع بجائے مشتری کے بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو دونوں صورتوں میں بیع فسخ ہوجائے گی، کیونکہ قبل القبض مبیع کا ہلاک ہونا عقد کو فسخ کر دیتا ہے۔[۱]

لیکن مدت خیار میں مبیع کے زوائد (اولاد واکساب) جو حاصل ہوں وہ موقوف ہوں گے، اگر بیع تام ونافذ ہوگئی تو وہ مشتری کے ہیں ورنہ بائع کے۔[۲]

۳۰۵-ضابطہ: خیار کے بعد بیع کو قبول کرنے کے لئے دوسرے فریق کی موجودگی ضروری نہیں، جبکہ رد کے لئے دوسرے فریق کی موجودگی ضروری ہے۔[۳]

تشریح: من لہ الخیار (جس کے لئے اختیار ہے) کو تین دن کے اندر بیع کو رد کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے، تو اگر اس کو بیع قبول کرنا ہو تو دوسرے فریق کا موجود ہونا ضروری نہیں (کیونکہ اس کی طرف سے تو قبول ہی ہے) اور رد کرنے کیلئے دوسرے فریق کا موجود ہونا ضروری ہے (فون کے ذریعہ رد کردے تو بھی صحیح ہے یہ حکماً موجود ہونا ہے) ورنہ تین دن گذر جانے کے بعد بیع لازم ہوجائے گی پھر رد کرے تو اعتبار نہ ہوگا۔

---

(۱)(فتح القدير ٦/ ٢٨٣، البحر الرائق: ٦/ ١٣ - ١٤-١٩)

(۲)أن زوائد المبيع موقوفة، إن تم البيع كانت للمشترى وإن فسخ كانت للبائع. (شامى: ٧/ ١٢٤، البحر: ٦/ ١٤) (۳) وله أن يجيز فإن أجاز بغير حضرة صاحبه جاز وإن فسخ لم يجز إلا أن يكون الآخر حاضراً. (هدايه: ٣/ ٣٢، البحر: ٦/ ٢٧)

فائدہ: اگر من لہ الخیار کا تین دن میں انتقال ہو جائے تو عقد لازم ہو جائے گا، اور اس کے وارث کو یہ حق خیار منتقل نہ ہوگا۔ (۱)

خیار تعیین کا بیان

تمہید: خیار تعیین: خیار شرط ہی سے قریب خیار کی ایک صورت ہے، اس میں بیچنے والا خریدار کے ہاتھ چند چیزوں میں سے بلا تعیین کوئی ایک چیز معین قیمت پر فروخت کرتا ہے، اور خریدار کو اختیار دیتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک چیز متعین کر لے، یہ اختیار اس کو تین دن تک حاصل ہوتا ہے، تین دن کے بعد اس کو تعیین پر مجبور کیا جائے گا۔ اور جس طرح خریدار کو خیار تعیین حاصل ہوتا ہے بیچنے والے کو بھی اپنے سامان میں اس خیار کا حق رہتا ہے کہ وہ اپنے لئے تعیین کی شرط کے ساتھ بیچے۔ (۲)

۳۰۶- **ضابطہ:** خیار تعیین صرف ذوات القیم میں درست ہے، ذوات الامثال میں درست نہیں۔ (۳)

تشریح: خیار تعیین ذوات الامثال یعنی کیلی ووزنی اشیاء (گیہوں، چاول، تیل وغیرہ) اور وہ چیزیں جن کے افراد میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا (جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ) میں درست نہیں، کیونکہ ان کے افراد میں جب تفاوت نہیں ہوتا ہے تو تعیین کی کوئی ضرورت نہیں۔ تعیین کی ضرورت وہاں ہوتی ہیں جن کے افراد میں زیادہ تفاوت ہوتا ہے، مثلاً حیوان، کپڑے وغیرہ۔ ایسی چیزوں کو اصطلاح میں ذوات القیم کہتے ہیں۔

۳۰۷- **ضابطہ:** خیار تعیین تین سے زیادہ چیزوں میں حاصل نہیں ہوتا۔

تشریح: کیونکہ یہ خیار حاجت کی وجہ سے جائز کیا گیا ہے، اور تین چیزوں سے

---

(۱) وإذا مات من له الخيار بطل خياره ولم ينتقل إلى ورثته. (هدايه: ۳/ ۳۲)

(۲) (شامي: ۷/ ۱۴۰-۱۴۱) (۳) صح خيار التعيين في القيمات لا في المثليات. (هنديه: ۳/ ۵۴)

حاجت پوری ہوجاتی ہے، کہ تین میں عمدہ، گھٹیا، اور متوسط تینوں وصف آسکتے ہیں، پس زیادہ کی حاجت نہ رہی۔ [۱]

۳۰۸- **ضابطہ**: خیار تعیین وخیار شرط کی صورت میں مبیع میں تصرف کرنا دلالۃً اجازت ہوتی ہے (اور خیار ختم ہوجاتا ہے) [۲]

تشریح: پس جو چیز خیار شرط یا خیار تعیین کے ساتھ خریدی اور بائع کو اطلاع دئے بغیر اس میں مشتری نے تصرف شروع کردیا تو یہ اس کی طرف سے دلالۃً اجازت متصور ہوگی، اور خیار ختم ہوجائے گا، پس خیار شرط کی صورت میں بیع نافذ ہوجائے گی اور خیار تعیین کی صورت میں جس چیز میں تصرف کیا ہے وہ مبیع کے لئے متعین ہوجائے گی۔

خیار رویت کا بیان

(بن دیکھے سامان میں دیکھنے کے بعد اختیار)

۳۰۹- **ضابطہ**: خیار رویت ہر ایسے عقد میں حاصل ہوتا ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے، جیسے بیع، اجارہ، تقسیم، صلح وغیرہ۔ اور ہر ایسے عقد میں حاصل نہیں ہوتا ہے جو فسخ کو قبول نہیں کرتا ہے، جیسے مہر، بدل خلع وغیرہ۔

(پس مہر وغیرہ کو دیکھنے کے بعد رد نہیں کیا جاسکتا ہے) [۳]

(۱)......فیما دون الأربعة لاندفاع الحاجة بالثلاثة لوجود جید وردیء ووسط (الدر المختار علی هامش ردالمحتار : ۷/ ۱۴۰)

(۲)وأما الفسخ بالفعل بأن یتصرف البائع فی مدة الخیار فی المبیع تصرف الملاك (هندیه: ۳/ ۴۳ – وهكذافی الفصل السادس فی خیار التعیین، ص: ۵۵)

(۳)وإنما یثبت فی كل عقد یفسخ بالرد كالإجارة والصلح عن دعوی مال والقسمة والشراء ......ولایثبت فی كل عقد لاینفسخ بالرد كالمهر وبدل الخلع وبدل الصلح عن دم العمد......الخ (هندیه: ۳/۵۸—فتح القدیر: ۶/۳۱۲)

۳۱۰-**ضابطہ**: خیار رویت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کو سودا کرنے سے پہلے یا بالکل نہ دیکھا ہو یا اتنی مدت پہلے دیکھا ہو کہ عام طور پر اس میں تبدیلی آجاتی ہے۔[1]

تشریح: پس اگر اتنی مدت پہلے دیکھ لیا ہو کہ عادتاً اتنے وقفے میں تبدیلی نہیں آتی تو وہی دیکھنا کافی ہوگا اور خیار رویئت حاصل نہ ہوگا۔

اور وہ مدت جس میں تبدیلی آتی ہے اور جس میں نہیں آتی اس کا مدار اشیاء کے احوال پر ہوگا۔ بعض چیزوں میں مہینہ بلکہ ہفتہ بھر میں تبدیلی آجاتی ہے، جیسے سبزیاں، پھل وغیرہ، اور بعض چیزوں میں اتنی جلدی تبدیلی نہیں آتی جیسے جانور گھر وغیرہ ــــــ اگر اس سلسلہ میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو یعنی بائع کہے تم نے جب دیکھا تھا تب سے یہ چیز اسی حال میں ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، لہٰذا تمہیں خیار کا حق نہیں ہے، مشتری کہے نہیں! اس میں تبدیلی آگئی ہے لہٰذا مجھے خیار حاصل ہے تو بائع کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا بشرطیکہ مدت قریب ہو، یعنی اتنی مدت میں عام طور پر اس چیز میں تبدیلی نہ آتی ہو۔ اور اگر مدت بعید ہو تو پھر مشتری کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔

اور اگر اصل رویت میں اختلاف ہو یعنی بائع کہے تم نے خریدنے سے پہلے دیکھ لیا ہے اس لئے تمہیں خیار حاصل نہیں، اور مشتری کہے نہیں! میں نے دیکھا نہیں ہے تو مشتری کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، کیونکہ وہ رویت کا منکر ہے۔[2]

خیال رہے کہ وہ دیکھنا معتبر ہے جو خریدنے کے اردہ سے ہو، کیونکہ اسی وقت آدمی اس چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔ اگر ایسے ہی کسی چیز کو آتے جاتے دیکھ لیا (خریدنے کی نیت کے بغیر) تو وہ دیکھنا معتبر نہ ہوگا، اور سمجھیں گے مشتری نے اس کو

---

(۱) (مستفاد الدر المختار مع ردالمحتار : ۷/ ۱۶۲)

(۲) (الدر المختار علی هامش ردالمحتار : ۷/ ۱۶۳، درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۶/ ۲۱۲)

دیکھا نہیں ہے۔ [۱]

۳۱۱-**ضابطہ**: دیکھنے سے مراد وہ دیکھنا ہے جس سے مقصود پر اطلاع ہو جاتی ہو۔ (پس پوری چیز دیکھنا ضروری نہیں، اور جب تک مقصود پر اطلاع نہ ہو اس کو دیکھنا نہیں کہیں گے، اور خیار باقی رہے گا) [۲]

تفریع: اسی لئے فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے جو چیز عدد متقاربہ میں سے ہو یعنی جن کے افراد میں زیادہ تفات نہیں ہوتا جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ ان میں بعض کا دیکھنا کل میں خیار رویت کو ساقط کرتا ہے (جبکہ باقی بھی مرئی کے مثل یا اس سے عمدہ نکلے) اور جو عدد متفاوتہ میں سے ہو یعنی جن کے افراد میں زیادہ تفاوت ہوتا ہے جیسے جانور، کپڑے وغیرہ ان میں بعض کا دیکھنا کل میں خیار رویت کو ساقط نہیں کرتا، بلکہ باقی میں خیار باقی رہے گا۔ [۳]

کیونکہ اصل چیز مقصود پر اطلاع پالینا ہے، اناج، غلہ وغیرہ میں بعض کو دیکھنے سے

---

(۱) ولو اشترى مارأى حال كونه قاصداً لشرائه عند رؤيته ،فلو رآه لالقصد شراء ثم شراه ، قيل له الخيار ،ظهيرية .وجهه ظاهر لأنه لايتأمل المعيد.بحر قال المصنف :ولقوة مدركه عولنا عليه.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار : ۷/ ۱٦۲)......ولا شك أن المصنف له قوة المدرك فلذا جرى على ماقاله. (تقريرات الرافعي على ردالمحتار :۱۲۸/۷)

(۲)وكفى رؤية مايؤذن بالمقصود......(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۵۵/۷)

(۳)وإن كان المبيع من العدديات المتفاوتة نحو الثياب اللتى اشتراها فى جراب......وغيره ذالك لابد من رؤ ية كل واحد وإذا رأى البعض فهوبا الخيار فى الباقى ......وفى العدديات المتقاربة نحو الجوز والبيض رؤية البعض تكفى إذا وجد الباقى مثل المرئى أو فوقه . (هنديه :۳/ ٦٤)

مقصود حاصل ہوجاتا ہے اور متعدد جانور اور کپڑوں کو خریدنا ہوتو بعض کے دیکھنے سے مقصود حاصل نہ ہوگا، تمام کو منفرداً دیکھنا ہوگا۔

پھر اگر جانور سواری کے لئے خریدنا ہے، تو اس کا چہرہ اور پیچھے کا حصہ دیکھنے سے مقصود حاصل ہوگا اور گوشت کے لئے خریدنا ہوتو جب تک اس کو ہاتھ سے ٹٹول کر نہ دیکھ لے مقصود حاصل نہ ہوگا، اور دودھ کے لئے خریدنا ہوتو صرف تھنوں کو دیکھنا کافی ہوگا۔(۱)

اور لپٹے ہوئے کپڑے میں صرف ظاہر کا دیکھنا کافی ہے، لیکن امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو کھول کر پورا دیکھنا ضروری ہے (اس سے پہلے مقصود حاصل نہ ہوگا) یہی مختار ہے۔(۲)

اور گھر کے متعلق امام اعظم رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف گھر کا بیرونی حصہ دیکھنا کافی ہے اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اندرونی حصہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے مقصود حاصل نہیں ہوتا، یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، یہ اختلاف: اختلاف زمان ہے نہ کہ برہان (دلائل) کیونکہ امام صاحب کے زمانہ میں مکان ایسے ہوتے تھے کہ ان کا بیرون دیکھنے سے اندرون کا اندازہ ہوجاتا تھا اور بعد میں ایسے مکان بننے لگے کہ ان کی ہیئت، مساحت وکیفیت میں کافی فرق ہونے لگا، گھر کا بیرون دیکھنے سے اندر کا اندازہ نہیں ہوتا تھا اس لئے امام زفر نے ایسا فتویٰ دیا اور تمام احناف نے اس کو قبول کیا (پس اب فتوی یہ ہے کہ جب تک گھر کا اندرون بھی نہ دیکھ لے خیار

---

(۱) ووجه دابة و كفلها أيضا فى الأصح......وكفى جس شاة لحم؛ وضرع بقرة حلوب وناقة لأنه المقصود. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ۱۵۷-۱۵۹)

(۲)...... ورؤية ظاهر ثوب مطوى،وقال زفر:لابد من نشره كله، هوالمختار كما فى أكثر المعتبرات . (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۵۷/۷)

رویت ساقط نہ ہوگا)[۱]

۳۱۲- **ضابطہ**: خیار رویت مالک بننے والے کو حاصل ہوتا ہے؛ جو مالک ہے اس کو حاصل نہیں ہوتا۔[۲]

تشریح: پس خریدار، کرایہ دار وغیرہ جو مالک بننا چاہتے ہیں ان کو یہ خیار حاصل ہوگا۔ اور بیچنے والا، کرایہ پر دینے والا وغیرہ جو مالک ہے ان کو حاصل نہ ہوگا۔

۳۱۳- **ضابطہ**: خیار رویت اس مبیع میں حاصل ہوگا جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے؛ جو ذمہ میں دین ہو اس میں خیار حاصل نہ ہوگا۔[۳]

تفریعات:

(۱) پس بیع سلم میں خیار رویت حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس میں مبیع ذمہ میں دین ہوتی ہے، جس کو اوصاف کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے، خود معین نہیں۔[۴]

(۲) دراہم، دنانیز میں خیار حاصل نہ ہوگا خواہ وہ عین ہو یا دین، کیونکہ وہ متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے۔[۵]

۳۱۴- **ضابطہ**: قبل الرویت صاحب خیار اپنا خیار ساقط نہیں کرسکتا، البتہ عقد فسخ کرسکتا ہے۔[۶]

---

(۱)......وقال زفر: لابد من رؤیةداخل البیوت وهو الصحیح، وعلیه الفتویٰ جوهرة. وهذا اختلاف زمان لابرهان (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱۵۸/۷، تبیین الحقائق: ۳۴۳/۱۰)

(۲) ولاخیار لمن باع ما لم یره ...... الخ (تبیین الحقائق: ۳۳۴/۱۰)

(۳) وشرط ثبوت الخیار أن یکون المبیع مما یتعین بالتعیین فإن کان مما لایتعین بالتعیین لایثبت فیه الخیار. (هندیه: ۵۸/۳)

(۴) (هندیه: ۵۸/۳، درر الحکام: ۲۰۶/۶) (۵) (هندیه: ۵۸/۳، درر الحکام: ۲۰۶/۶) (۶) (بدائع الصنائع: ۵۷۶/۴)

تشریح: پس مشتری یا کرایہ دار وغیرہ بائع وغیرہ کے کہنے پر اپنا خیار ساقط کر دے اور اپنے حق خیار سے دستبردار ہو جائے، حالانکہ معقود علیہ (جس پر عقد ہوا ہے مبیع وغیرہ) کو ابھی دیکھا نہیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، دیکھنے کے بعد ہی اس کو رد کا اختیار ہوگا، کیونکہ دیکھنے سے پہلے حق ثابت نہیں ہوتا اور جب تک حق ثابت نہ ہو ساقط کرنا بے معنی ہوگا(۱)

البتہ دیکھنے سے پہلے نفس عقد کو فسخ کرنا چاہے تو صحیح یہ ہے کہ عقد فسخ کر سکتا ہے، کیونکہ یہ عقد غیر لازم ہے جیسا کہ خیار عیب وغیرہ کی صورت میں غیر لازم ہوتا ہے۔ (۲)

فائدہ: صاحب خیار کی موت سے خیار باطل ہو جاتا ہے، خواہ دیکھنے سے پہلے موت واقع ہوئی ہو یا دیکھنے کے بعد، پس موت سے معاملہ پختہ ہو جاتا ہے، اس کے ورثاء رد کرنا چاہیں تو رد نہیں کر سکتے۔ (۳)

۳۱۵-**ضابطہ:** جو چیز خیار شرط کو باطل کرتی ہے- جیسے عیب دار ہونا، یا اس میں تصرف کرنا، وہ رویت کے بعد خیار رویت کو بھی باطل کر دیتی ہے۔ (۴)

تشریح: پس معقود علیہ کو دیکھ لینے کے بعد اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو رد کا خیار باطل ہو جائے گا، اسی طرح اس میں کوئی تصرف کر لیا (بیع، ہدیہ، اصلاح وغیرہ) تو یہ

---

(۱)......فوقت ثبوت الخيار هو وقت الرؤية لا قبلها حتى لو أجاز قبل الرؤية ورضى به صريحاً ...... ثم رآه له أن يرده . (بدائع الصنائع: ٤/٥٧٦)

(۲)وأما الفسخ قبل الرؤية فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم لايجوز ...... وقال بعضهم يجوز وهو الصحيح لأن هذا عقد غير لازم. (الحوالة السابقة)

(۳)وخيار رؤية لايورث حتى أن المشترى لومات قبل الرؤية فليس لورثته الرد. (هنديه :٣/٥٨)

(۴)ويبطله(ما يبطل خيار الشرط من تعيب) يعنى بعد الرؤية (او تصرف؛ يبطل خيار الروئية) . (فتح القدير :٦/٣١٣،درر الحكام : ٦/ ٢١٤)

دلالۃً رضامندی ہوگی اب رد نہیں کرسکتا، سامان پر قبضہ کرنا یہ بھی دلالۃً رضامندی ہے۔[1]

اور اگر دیکھنے سے پہلے عیب پیدا ہوا تو اس سے خیار ساقط نہ ہوگا، اور اگر کوئی تصرف کیا تو اس میں ضابطہ ہے کہ:

۳۱۶-**ضابطہ**: عقد کے بعد رویت سے پہلے معقود علیہ میں ہر ایسا تصرف جو ناقابل رد ہوتا ہے (جیسے آزاد کرنا، مدبر بنانا) یا وہ تصرف جس سے دوسرے کا واجبی حق متعلق ہوجاتا ہے (جیسے، بیع مطلق، اجارہ، رہن وغیرہ) وہ خیار کو ختم کردیتا ہے۔ اور جو تصرف ایسا نہ ہو (یعنی نہ رد کے قابل ہو اور نہ اس سے دوسرے کا واجبی حق متعلق ہوتا ہو) وہ خیار کو ختم نہیں کرتا (جیسے ہدیہ بلا تسلیم، بیع بشرط الخیار، مساومۃ یعنی بھاؤ تاؤ کرنا)[2]

خیار عیب کا بیان

۳۱۷-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو تاجروں کے عرف میں ثمن کا نقصان ثابت کرے وہ عیب ہے۔[3]

تشریح: پس حقیقت عیب جاننے کا یہ ایک زبردست ضابطہ ہے، یعنی وہ کونسی کمی ہے جس کو عیب کہا جائے اور مشتری کو اس پر خیار عیب حاصل ہوتا ہے؟ تو بتلایا کہ وہ چیز جو تاجروں کے عرف وعادت کے اعتبار سے قیمت میں معمولی یا غیر معمولی کمی کردے وہ عیب ہے اور اس کی وجہ سے مشتری کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔ ہر قسم کی کمی ونقصان پر

(۱)(فتح القدیر :۶/۳۱۳) (۲) ثم إن كان تصرفاً لايمكن رفعه للمتصرف كالإعتاق......وتدبيره؛أو تصرفاً يوجب حقاً للغير كالبيع المطلق......والرهن والإجارة يبطل خيار الرؤية......وإن كان تصرفاً لايوجب حقاً للغير كالبيع بشرط الخيار للبائع والمساومة وهبته بلا تسليم لايبطله قبل الرؤية(فتح القدير :۶/ ۳۱۳-۳۱۴)(۳)(كل ماأوجب نقصان الثمن فى عادة التجار فهو عيب. (هدايه ۳/ ۴۰،بدائع الصنائع :۴/ ۵۴۴،تاتار خانية:۹/ ۱۱۷مكتبه زكريا)

خیار حاصل نہیں ہوتا۔

اور اگر تاجروں میں اختلاف ہو بعض اس کو عیب شمار کرتے ہو اور بعض نہ کرتے ہوں تو خانیہ میں ہے کہ اس میں مشتری کو لوٹانے کا خیار نہ ہوگا جب تک کہ تمام کے نزدیک عیب واضح نہ ہو۔ (۱)

۳۱۸- **ضابطه**: خیار عیب کے لئے ضروری ہے کہ بیع کے وقت یا سامان پر قبضہ کے وقت اس میں عیب موجود ہو۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس خرید کر قبضہ کے بعد عیب پیدا ہوا تو ظاہر ہے بیچنے والا اس کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) اسی طرح بیچنے والے کے پاس کسی زمانہ میں وہ عیب موجود تھا لیکن بیع یا قبضہ کے وقت وہ عیب ثابت نہ ہو تو اس میں بھی خیار حاصل نہ ہوگا۔

(۳) اور اگر بیع کے بعد قبضہ سے پہلے کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اس میں خیار حاصل ہوگا (کیونکہ بوقت قبضہ عیب موجود ہوگا)

فائدہ: اور یہ بھی ضروری ہے کہ مشتری خریدتے یا قبضہ کے وقت اس عیب سے واقف نہ ہو، ورنہ خیار حاصل نہ ہوگا۔ (۳)

۳۱۹- **ضابطه**: ہر عیب سے براءت کی شرط کے ساتھ بیچنا درست ہے۔ (۴)

تشریح: یعنی بائع یوں کہے کہ اس میں جو بھی عیب ہو میں اس سے بری ہو یا اس کا

---

(۱) وفی الخانية: إن اختلف التجار فقال بعضهم إنه عيب وبعضهم لا، ليس له الرد إذالم يكن عيباً بيناً عند الكل اھ. (شامی: ۷/ ۱۷۰)

(۲) فمنها: ثبوت العيب عند البيع أو بعده قبل التسليم. (بدائع: ۴/ ۵۴۶، شامی: ۷/ ۱۶۹) (۳) ومنها: جهل المشترى بوجوب العيب عند العقد والقبض ......الخ (بدائع: ۴/ ۵۴۸) (۴) وصح المبع بشرط البرأة من كل عيب. (شامی: ۷/ ۲۱۸ - بدائع الصنائع: ۴/ ۵۴۸)

ذمہ دار نہیں ہوں تو اس طرح بیچنا صحیح ہے، اگر مشتری نے اس کے باوجود خرید لیا تو اب کچھ بھی عیب نکل آئے بائع اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، مشتری اس عیب کی وجہ سے مبیع واپس نہیں کرسکتا اور نہ نقصان کی بھرپائی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

۳۲۰- **ضابطہ**: مشتری کے پاس مبیع میں ہر ایسا اضافہ (زیادتی) جو اصل سے متصل بھی ہو اور اس سے پیدا شدہ بھی (جیسے موٹاپا، عمر میں اضافہ وغیرہ) یا وہ اضافہ اصل سے علاحدہ ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے گاڑی کی آمدنی، جانور کی کمائی وغیرہ) وہ خیار عیب کو ساقط نہیں کرتا (یعنی اس اضافہ کے باوجود عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرسکتا ہے) —— اور جو اضافہ اصل سے متصل ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے کپڑے کی رنگائی، شجر کاری، زمین پر تعمیر وغیرہ) یا برعکس ہو، یعنی اصل سے علاحدہ ہو مگر اسی سے پیدا شدہ ہو (جیسے جانور نے بچہ دیا، درخت نے پھل دیا وغیرہ) تو وہ خیار عیب کو ساقط کردیتا ہے (اس صورت میں مبیع واپس نہیں کرسکتا۔ البتہ نقصان عیب کو رجوع کرسکتا ہے)[1]

۳۲۱- **ضابطہ**: عیب جان لینے کے بعد مشتری کی جانب سے ہر ایسا تصرف جو عیب پر رضامندی ظاہر کرتا ہو خیار عیب کو ساقط کردیتا ہے۔[2]

---

(۱) أن الزيادة نوعان متصلة ومنفصلةوالمتصلة نوعان غير متولدة من المبيع كالصبغ وماشبهه وإنها تمنع الرد بالعيب بالاتفاق......ومتولدة من المبيع كالسمن والجمال وانجلاء البياض وإنها لاتمنع الرد بالعيب فى ظاهر الرواية ......وأما الزيادة المنفصلة فنوعان أيضا متولدة من المبيع كالولد والثمر وماهو فى معناهما كالارش والعقر وإنها تمنع الرد بالعيب ......وغير متولدة من المبيع كالكسب والغلة وإنها لاتمنع الرد بالعيب......الخ(هنديه :۴۸/۳ -۷۷، بدائع: ۴/ ۵۶۰)(۲)أن كل تصرف يوجد من المشترى فى المشترى بعد العلم بالعيب يدل على الرضا بالعيب يسقط الخيار ويلزم البيع.(بدائع : ۵۵۷/۴)

جیسے جانور میں زخم کا عیب تھا اور وہ اس کی دوا علاج کرنے لگا، یا گاڑی میں کوئی خرابی تھی وہ اس کو درست کرنے لگا یا اس پر سوار ہوکر اپنی ذاتی ضرورت میں استعمال کرنے لگا تو عیب جان لینے کے بعد بھی اس کا اس طرح کا عمل رضامندی پر دال ہوگا اور خیار ساقط ہو جائے گا، اب وہ مبیع واپس نہیں کرسکتا۔

اور اگر گاڑی اپنی ذاتی ضرورت میں استعمال نہیں کی بلکہ اس کو کاریگر کو دکھلانے کے لئے اس پر سوار ہوا تاکہ عیب کی حقیقت معلوم ہو جائے، یا بائع تک پہنچانے کے لئے اس پر سوار ہوا، اور راستہ میں ایندھن ڈلوانے کے لئے بھی کسی جگہ گیا تو اس سے خیار ساقط نہ ہوگا۔ جیسا کہ جانور پر سوار ہوا تاکہ اس کو گھاٹ سے پانی پلائے یا چراگاہ میں چرائے، یا بائع کو واپس کردے تو اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا کیونکہ یہ ذاتی استعمال نہیں ہے۔ (۱)

۳۲۲- **ضابطہ**: مشتری کا ہر ایسا تصرف جس میں وہ حابس (مبیع کو روکنے والا) ثابت ہو اس میں وہ رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے، اور جس میں وہ حابس ثابت نہ ہو اس میں رجوع کرسکتا۔ (۲)

تشریح: عیب دار مبیع میں جب مشتری کوئی ایسا تصرف کرلے جس سے نفس مبیع کو واپس کرنا ممتنع ہو جائے تو اب وہ نفس مبیع کو تو واپس نہیں کرسکتا، البتہ عیب کی وجہ سے اس کو جو نقصان ہوا اس قدر ثمن بائع کے پاس سے واپس لے سکتا ہے، اس کو "رجوع بالنقصان" یا "ہرجانہ" کہتے ہیں۔

لیکن یہ رجوع کا حق مطلقاً نہیں، بلکہ اس تصرف میں رجوع کرسکتا ہے جس میں اس کی جانب سے بائع کو مبیع واپس کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ آئی ہو، اگر اس کی جانب

(۱) (بدائع: ۴/ ۵۵۷، هندیه: ۳/ ۷۵)

(۲) أن المشترى متى كان حابسا للمبيع لا يرجع بنقصان العيب ومتى لم يكن حابساً له يرجع. (هدايه: ۳/ ۴۲، حاشيه)

سے کوئی رکاوٹ آجائے تو وہ حابس (مبیع کو روکنے والا) ثابت ہوگا اور اس کو رجوع بالنقصان کا حق نہ رہے گا۔ اس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں، من جملہ یہ ہیں:

(۱) مشتری نے مبیع کو بیچ دیا یا ہدیا کر دیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اب رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا، کیونکہ مبیع واپس کرنے میں رکاوٹ اس کی جانب سے آئی ہے، پس وہ حابس ہوا۔ (۱)

(۲) کپڑا خریدا اور اس کو رنگ دیا، یا گیہوں خریدے اور اس کا ستو بنا دیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کو رجوع بالنقصان کا حق ہوگا، کیونکہ مبیع واپس کرنے میں مشتری کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، رکاوٹ شریعت کی طرف سے ہے، کیونکہ اس زیادتی کے ساتھ مبیع واپس کرنے میں (وہ زیادتی بلاعوض ہونے کی وجہ سے) شرعاً سود ہو جاتا ہے جو ممنوع ہے، پس مشتری حابس نہ ہوا۔ (۲)

(۳) کپڑا خریدا اور اس کو کاٹ کر سی دیا، یا گیہوں خریدے اور ان کو پیس دیا، یا آٹا خریدا اور اس کی روٹیاں بنا دی، یا گوشت خریدا اور اس کو بھون دیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، کیونکہ اصل مبیع واپس کرنے میں اس کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، رکاوٹ بائع کی جانب سے ہے کہ وہ اس حالت میں قبول نہیں کر رہا ہے، پس اس میں مشتری حابس نہیں ٹھہرا۔ (۳)

---

(۱) ولو باعه المشترى أو وهبه ثم علم بالعيب لم يرجع بالنقصان ، لأن امتناع الرد ههنا من قبل المشترى . (بدائع : ۵٦٨/٤) (۲): فإن قطع الثوب وخاطه أو صبغه احمر أولتّ السويق بسمن ثم اطلع على عيب رجع بنقصانه لأن امتناع الرد بسبب الزيادة ...... الخ (هدايه : ٤٢/٣) (۳) كما إذا كان المبيع ثوباً فقطعه أو خاطه أو حنطة فطحنها أو دقيقاً فخبزه أو لحماً فشواه فإنه يرجع بالنقصان لأن امتناع الرد فى هذه المواضع من قبل البائع (بدائع الصنائع: ٥٦٨/٤ — الدر المختار على هامش رد المحتار: ١٨٨/٧ — ١٨٩)

(۴) لیکن اگر کپڑا پہن کر پرانا کردیا، اسی طرح کھانے کی کوئی چیز تھی اور اس کو کھالیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کو رجوع کا حق ہوگا، درمختار میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (۱)

(۵) کپڑا خریدا اور اس کو اپنے چھوٹے بچہ کا لباس بنانے کے لئے کاٹ دیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے، اور اگر بڑے لڑکے کے لئے کاٹا ہو تو رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، کیونکہ چھوٹے بچہ کے لئے محض کاٹ دینے سے وہ بچہ کے لئے ہدیہ اور تسلیم (سپرد کرنا) دونوں ثابت ہوجاتا ہے اور باپ (اس کا والی ہونے کی وجہ سے) اس کی جانب سے قبضہ کرنے والا متصور ہوجاتا ہے، تو جب مشتری کی جانب سے ہدیہ تام ہوگیا تو اب وہ حابس (روکنے والا) ثابت ہوگیا اور رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے۔ برخلاف بڑے لڑکے کے کہ اس کیلئے کاٹنے سے تسلیم (سپرد کرنا) ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بڑا لڑکا خودمختار ہونے کی وجہ سے باپ کا اس کی جانب سے قبضہ متصور نہیں ہوتا، پس یہاں ہدیہ نہ ہونے سے مشتری حابس نہ ٹھہرے گا اور اس کو رجوع بالنقصان کا حق ہوگا۔ (۲)

(۶) جانور خریدا اور وہ خود اپنی موت مرگیا، یا اس کو ذبح کیا پھر اس میں کسی ایسے عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے پاس سے آیا تھا تو مشتری کو نقصان کے رجوع کا حق ہوگا،

---

(۱) أو كان المبيع طعاماً فأكله أو بعضه ...... أو لبس الثوب حتى تخرق فإنه يرجع بالنقصان استحساناً عندهما وعليه الفتوىٰ. (الدر المختار على هامش ردا لمحتار: ۷/ ۱۹۲ –بدائع الصنائع: ۴/ ۵۶۹)

(۲) وعن هذا قلنا إن من اشترى ثوباً فقطعه لباساً لولده الصغير وخاطه ثم اطلع على عيب لايرجع بالنقصان ولو كان الولد كبيراً يرجع لأن التمليك حصل في الأول قبل الخياطة وفي الثاني بعده بالتسليم إليه. (هدايه: ۳/ ۴۲)

کیونکہ جانور مر جانے کی صورت میں مبیع واپس کرنے میں جو رکاوٹ ہے وہ حکمی ہے خود مشتری کے فعل سے نہیں ہے۔ اور ذبح کرنے کی صورت میں مشتری نے اس جانور کو اس مقصد میں استعمال کیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، کیونکہ جانور کو باربرداری، سواری، دودھ، گوشت وغیرہ انسانی نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پس دونوں صورتوں میں وہ حابس نہ ٹھہرے گا (برخلاف غلام کے اگر خود مر گیا تو رجوع کر سکتا ہے اور قتل کیا تو رجوع نہیں کر سکتا ہے، فرق واضح ہے)[1]

۳۲۳-ضابطہ: خیار عیب موت سے باطل نہیں ہوتا، برخلاف خیار رویت اور خیار شرط کے۔

تشریح: پس خواہ بائع کی موت ہو یا مشتری کی خیار عیب باطل نہ ہوگا (بلکہ مبیع اگر جاندار ہو تو اس کی موت سے بھی خیار عیب باطل نہیں ہوتا) ـــــ پس مشتری کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کو خیار عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کا اختیار ہوگا، اور بائع کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء عیب دار مبیع واپس لینے سے انکار نہیں کر سکتے۔

برخلاف خیار رویت اور خیار شرط کے اس میں من لہ الخیار کی موت سے (نہ کہ من علیہ الخیار کی موت سے) خیار باطل ہو کر معاملہ پختہ ہو جاتا ہے۔ اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی ـــــ البتہ خیار تعیین کہ اگرچہ وہ خیار شرط ہی کے قریب ایک صورت ہے، لیکن خیار عیب کی طرح وہ موت سے باطل نہیں ہوتا، اس میں ورثاء کو تعیین کا اختیار ہوگا۔[2]

---

(۱) اشترى حيواناً فذبحه بنفسه فإذا أمعاؤه فاسدة فساداً قديماً رجع بالنقصان عندهما، وعليه الفتوىٰ. (هنديه: ۸٤/۳، شامی: ۱۸۸/۷)

(۲) وتم العقد بموته لايخلفه الوارث كخيار الرؤية......وأما خيار العيب والتعيين......فيخلفه الوارث فيهما. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ←

خیار مغبون کا بیان

تمہید: مغبون کے معنی وہ شخص: جس کو دھوکا لگ گیا ہو یا دھوکا دیا گیا ہو۔ خیار مغبون یہ ہے کہ کسی نے بیع کی اور بیع کے اندر اس کو دھوکا ہو گیا (بلکہ صحیح روایت کے مطابق دھوکا دیا گیا) یعنی بازار کے نرخ سے اگر بائع ہو تو کم میں بیچ دیا اور مشتری ہو تو زائد میں خرید لیا تو اس صورت میں اس کو خیار حاصل ہو گا یعنی اگر وہ چاہے تو بیع کو فسخ کر دے یا باقی رکھے۔

لیکن یہ خیار صرف غبن فاحش میں حاصل ہو گا غبن یسیر میں حاصل نہ ہو گا۔ اور فاحش و یسیر کی تحدید میں ضابطہ یہ ہے کہ:

۳۲۴-**ضابطہ**: جو قیمت مقومین (قیمت لگانے والوں) کے اندازہ کے دائرے میں نہ آتی ہو وہ غبن فاحش ہے اور جو قیمت ان کے دائرہ میں آجاتی ہو وہ غبن یسیر ہے۔[(۱)]

تشریح: جیسے دس روپے میں کوئی چیز خریدی لیکن اس کی قیمت سات آٹھ روپے اور زیادہ سے زیادہ نو روپے تک لگائی جاتی ہے کوئی اس کی قیمت دس روپے نہیں لگاتا تو وہ غبن فاحش ہے۔ اور اگر اس کی قیمت کوئی آٹھ رپے کوئی نو روپے اور کوئی دس روپے بھی لگاتا ہے تو چونکہ یہ قیمت مقومین کے اندازے میں آجاتی ہے اس لئے غبن یسیر ہے۔

← ۱۳۱/۷ تا ۱۳۴، بدائع: ۵۳۴/۴) ویتم العقد أیضاً بموت من له الخیار)

.....وقید بموت من له الخیار لأن الخیار لایبطل بموت من علیه الخیار اتفاقاً.

(مجمع الانهر: ۴۳/۳)

---

(۱).....بغبن فاحش: هو مالا یدخل تحت المقومین (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳۶۳/۷)

لیکن جیسا کہ ظاہر ہے اس تحدید میں عام لوگوں کے لئے خاصی دشواری ہے اس لئے لوگوں کی سہولت کے پیش نظر "مجلة الأحكام" کے مرتبین نے ان حضرات کی رائے کو ترجیح دی ہے جنہوں نے آسان عددی تحدید کو پیش کیا ہے، اور سہولت کے لئے فقہاء ایسی تحدید بیان کرتے ہیں اس کی مثال شرعی حوض کی پیمائش وغیرہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

۳۲۵-**ضابطہ**: جب غبن: منقول اشیاء میں پانچ فیصد؛ جانوروں میں دس فیصد؛ اور زمین مکانات وغیرہ میں بیس فیصد پہنچ جائے تو خیار حاصل ہوگا، اس سے کم میں حاصل نہ ہوگا۔ (۱)

تشریح: پانچ فیصد کا مطلب ہے بائع نے کوئی چیز ایک سو پانچ میں دی جبکہ بازار میں اس کی عام قیمت سو روپے ہے ـــــ اسی طرح دس فیصد اور بیس فیصد کو سمجھ لیجئے۔

ملحوظہ: یہ خیار اس وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کو دھوکا دیا گیا ہو یعنی کہا ہو کہ "بازار کا دام یہ ہے" پھر بعد میں وہ دام نہ نکلا۔ اور اگر سامنے والے نے بازار کا دام وغیرہ کچھ نہ کہا ہو ویسے ہی کسی کو بیع میں دھوکا لگ گیا (جیسا کہ عامۃً ہوتا ہے) تو اس میں اختیار نہ

---

(۱) الغبن الفاحش: غبن على قدر نصف العشر فى العروض والعشر فى الحيوانات والخمس فى العقار أوزيادة .وربع العشر فى الدراهم بالنظر إلى قيم الأشياء الحقيقية أيضاً،يعني: أن إعطاء العشرة بعشرة وربع؛ أو أخذ العشرة وربع بعشرة فى الدراهم وإعطاء ماقيمته عشرة بعشرة ونصف ،أو أخذ ماقيمته العشرة ونصف بعشرة فى العروض وإعطاء ماقيمته عشرة بأحد عشر ، أو أخذ ماقيمته أحد عشر بعشرة فى الحيوانات وإعطاء ماقيمته عشرة باثنى عشر وأخذ ماقيمته اثنى عشر بعشرة فى العقار يعدّ غبناً فاحشاً(درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام: ١/ ٢٦٥، المادة: ١٦٥)

ہوگا، یہی مفتی بہ ہے۔تاہم ایک روایت کے مطابق مطلقاً (خواہ دھوکا دیا گیا ہو یا دھوکا لگ گیا ہو) خیار حاصل ہوتا ہے اور اس پر بھی فتویٰ نقل کیا گیا ہے، مگر علامہ شامیؒ نے اس پر نقد کیا ہے۔اور لکھا ہے کہ تصحیح جس مفتی بہ قول کی گئی ہے وہ تفصیل کا ہے نہ کہ مطلق خیار کا۔اور جس نے مطلقاً خیار کا فتویٰ دیا اس نے خطاء فاحش کی۔(۱)

فائدہ: قیمت کے علاوہ مبیع کے منافع وغیرہ میں دھوکا دیا مثلاً یہ بھینس ۱۵/لیٹر دودھ دیتی ہے، یہ گاڑی ۸۰/کیلومیٹر کی ایوریج دیتی ہے وغیرہ اور حقیقت میں ایسا نہ ہو تو مشتری کو اس میں بھی اختیار ہوگا کہ بیع فسخ کردے، کیونکہ اس میں بائع کی طرف سے دھوکا دیا گیا اور مشتری کا وصف مرغوب فوت ہوا۔

لیکن مشتری جب مبیع لینا ہی چاہے، فسخ پر راضی نہ ہو تو اب اس کو پوری قیمت پر ہی لینا ہوگا، قیمت کم نہیں کرواسکتا، اس لئے کہ وصف کے فوت ہونے پر ثمن کم نہیں کیا جاتا، کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں آتا ہے۔البتہ بائع خود سمجھ کر راضی خوشی سے قیمت کم کردے تو حرج نہیں کہ وہ اس کا حق ہے اور آدمی اپنا حق ساقط کرسکتا ہے۔(۲)

---

(۱)......ویفتی بالرد رفقاً بالناس وعلیه أکثر روایات المضاربة وبه یفتی .ثم رقم وقال إن غره أی غر المشتری البائع أو العکس أوغره الدلال فله الرد وإلالا وبه أفتی صدر الإسلام وغیره (الدر المختار)وهو الصحیح کمایأتی ......فمن أفتی فی زماننا بالرد مطلقاً فقد أخطأ خطأفاحشاً لما علمت من أن التفصیل هو المصحح المفتی به. (شامی :۷/۳۶۳-۳٦٤)

(۲)ومن باع عبداً علی أنه خباز أو کاتب وکان بخلافه فالمشتری بالخیار إن شاء أخذه بجمیع الثمن وإن شاء ترك لأن هذا وصف مرغوب فیه ......وإذاأخذه أخذبجمیع الثمن لأن الأوصاف لایقابلاها شيء من الثمن. (هدایه: ۳/ ۳۵)

خیار مجلس کا بیان

۳۲۶-**ضابطہ**: بیع میں خیار مجلس مشروع نہیں، صفقۃ ہو جانے پر بیع تام ہو جاتی ہے۔

تشریح: جب ایجاب وقبول پایا گیا تو بیع تام ہوگئی، اب مجلس کے بقاء کا کوئی اختیار نہ ہوگا، برخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ ان کے نزدیک جب تک مجلس عقد باقی ہے ہر دو فریق کو اختیار باقی رہتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو ختم کر دے۔(۱)

نوٹ: بیع میں خیارات سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

اقالہ کا بیان

تمہید: اقالہ کے معنی ہیں "ختم کرنا، ساقط کرنا" اصطلاح میں اقالہ کہتے ہیں: معاملہ ہو جانے کے بعد بائع اور مشتری کا باہمی رضامندی سے معاملہ کو ختم کر دینا۔

۳۲۷-**ضابطہ**: ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کی صحت کو مانع نہیں، مبیع کا ہلاک ہونا مانع ہے۔(۲)

تشریح: اقالہ میں شرط ہے کہ مبیع موجود ہو، اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو اقالہ کی گنجائش نہ رہے گی کیونکہ مبیع ہی محل بیع وفسخ ہے، لیکن ثمن کا بعینہ موجود رہنا ضروری نہیں وہ ہلاک ہو جائے تب بھی اقالہ صحیح ہے جیسا کہ بیع صحیح ہوتی ہے۔

اگر بعض مبیع ہلاک ہوگئی اور بعض باقی ہے تو جس قدر باقی ہے اس کے حصۂ ثمن پر اقالہ درست ہوگا۔

اگر بیع مقایضہ ہو (یعنی دونوں جانب سامان ہو کسی جانب کرنسی یا سونا چاندی نہ ہو

(۱)(کتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۱۵۴-۱۵۷)

(۲)(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/۳۴۳)

جیسے گیہوں کے بدلہ چاول خریدے) تو بدلین میں سے کسی ایک کے ہلاک ہونے بعد بھی اقالہ جائز ہوگا، ایک کے ہلاک ہونے سے اقالہ باطل نہ ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں مبیع بننے کی صلاحیت ہے، لہذا جو ہلاک ہوا اس کو ثمن تصور کریں گے اور جو باقی ہے اس کو مبیع۔ پس بیع باقی ہے تو اقالہ صحیح ہوگا۔ (۱)

۳۲۸- **ضابطہ**: مبیع میں ہر وہ اضافہ جو خیار عیب کی صورت میں مبیع لوٹانے کو مانع بنتا ہے وہ (اضافہ) اقالہ کو بھی مانع ہوگا، اور جو وہاں مانع نہیں ہوتا وہ یہاں بھی مانع نہ ہوگا۔ (۲)

تشریح: خیار عیب میں کونسا اضافہ مانع ہوتا ہے اور کونسا نہیں؟ اس کے متعلق خیار عیب میں ایک ضابطہ گذر چکا ہے۔ چونکہ وہ اس ضابطہ کا موقوف علیہ ہے اس لئے اس کو پھر سے یہاں نقل کیا جاتا ہے (اقالہ کو اس پر قیاس کر لیا جائے)

ضابطہ: مشتری کے پاس مبیع میں ہر ایسا اضافہ (زیادتی) جو اصل سے متصل بھی ہو اور اس سے پیدا شدہ بھی (جیسے موٹاپا، عمر میں اضافہ وغیرہ) یا وہ اضافہ اصل سے علاحدہ ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے گاڑی کی آمدنی، جانور کی کمائی وغیرہ) وہ خیار عیب کے لئے مانع نہیں (یعنی اس اضافہ کے باوجود عیب کی وجہ سے مبیع واپس کر سکتا ہے) —— اور جو اضافہ اصل سے متصل ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے کپڑے کی رنگائی، شجر کاری، زمین پر تعمیر وغیرہ) یا برعکس ہو، یعنی اصل سے علاحدہ

---

(۱) وهلاك الثمن لايمنع صحة الإقالة كما لايمنع صحة البيع وهلاك المبيع يمنع منها، لأنه محل البيع والفسخ، فإن هلك بعض المبيع جاز ت الإقالة فی باقيه لقيام المبيع فيه، ولو تقايضا تجوز الإقالة بعد هلاك أحدهما ولايبطل بهلاك أحدهما، لأن كل واحد منهما مبيع فكان البيع باقيا. (اللباب فی شرح الكتاب: ۲۱۸/۱) (۲)......عن الخلاصة :أن مايمنع الرد بالعيب يمنع الإقالة ...... الخ. (شامی : ۷/ ۳۳۸)

ہو مگر اسی سے پیدا شدہ ہو (جیسے جانور نے بچہ دیا، درخت نے پھل دیا وغیرہ) تو وہ خیار عیب کے لئے مانع ہے (اس صورت میں مبیع واپس نہیں کرسکتا۔ البتہ نقصان عیب کو رجوع کرسکتا ہے)[۱]

۳۲۹-**ضابطہ**: اقالہ متعاقدین کے حق میں تو فسخ ہے اور ان کے علاوہ (یعنی فریق ثالث) کے حق میں بیع جدید ہے۔[۲]

پس اس پر یہ احکام متفرع ہوں گے:

(۱) کسی نے زمین یا مکان فروخت کیا پھر اقالہ کر کے اس کو واپس لے لیا تو اس زمین یا مکان کے پڑوس میں جو شخص ہوگا اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا کیونکہ اس کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے اور زمین یا مکان کی بیع سے پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔[۳]

(۲) مشتری نے زید سے کوئی چیز خریدی اور کسی کے ہاتھ اس کا سودا کر دیا، پھر ان دونوں نے اقالہ کرلیا، اقالہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں کوئی عیب ہے جو اصل بائع (زید) کے پاس سے آیا ہے، تو مشتری عیب کی وجہ سے وہ مبیع زید کو لوٹا نہیں سکتا، اس لئے کہ فریق ثالث (زید) کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے، پس گویا زید کے حق میں مشتری اپنے مشتری سے خریدنے والا ہوگیا (نہ کہ خود زید سے) پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ مشتری عیب کی بنا پر یہ مبیع زید کو نہیں لوٹا سکتا، اور اپنے مشتری کو بھی نہیں لوٹا سکتا کیونکہ یہ عیب اس کی جانب سے نہیں آیا۔[۴]

---

(۱) (هنديه: ۳/۴۸-۷۷)(۲) وهى فسخ فى حق المتعاقدين، بيع جديد فى حق غيرهما. (القدورى على هامش اللباب: ۱/ ۲۱۸، تاتار خانية (جديد): ۹/ ۳۱۲، مكتبه زكريا)(۳) لو كان المبيع عقاراً فسلم الشفيع الشفعة ثم تقايلاقضى له بها لكونه بيعاً جديداً. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۷/ ۳۴۲)(۴) لايرد البائع الثانى على الأول بعيب علمه بعدها لأنه بيع فى حقه. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۷/ ۳۴۲)

(۳) زید نے خالد کو کوئی چیز ہدیہ کی، خالد نے اس کو کسی کے ہاتھ بیچ دیا، پھر کسی وجہ سے اس بیع کا اقالہ کرلیا تو اب واہب (زید) کے لئے جائز نہیں کہ موہوب لہ (خالد) سے شئی موہوب کو رجوع کرے (مطالبہ کرے) کیونکہ زید کے حق میں جو کہ فریق ثالث ہے یہ اقالہ بیع ہے، تو گویا خالد نے اپنے مشتری سے اقالہ نہیں کیا بلکہ اس کو خریدا ہے اور شئی موہوب اس کے پاس ملک جدید سے لوٹی ہے اور یہ چیز زید کے لئے رجوع سے مانع بنے گی۔ [۱]

(۴) زید نے خالد کے ہاتھ کوئی چیز بیچی، خالد نے ابھی اس کا ثمن ادا نہیں کیا تھا اس سے پہلے اس نے دوسرے شخص مثلاً حامد کے ہاتھ اس کو وہ چیز بیچ دی، پھر کسی وجہ سے اس بیع ثانی کا اقالہ ہوگیا تو اب بائع اول (زید) کے لئے جائز ہے کہ اپنے مشتری (خالد) سے واپس وہ چیز اس ثمن سے کم میں خریدے جو پہلی بیع میں طے ہوا تھا۔ اس میں اگرچہ ''شراء بأقل مما باع قبل نقد الثمن'' لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں، لیکن وہ یہاں جائز ہوگا اس لئے کہ خالد اور حامد کے مابین جو اقالہ ہوا وہ بائع اول (زید) کے لئے جو کہ فریق ثالث ہے بیع جدید ہے، گویا اس صورت میں مبیع زید کے پاس ملک جدید سے لوٹ رہی ہے، تو اب اس کے لئے مذکور صورت جائز ہوگی۔ [۲] (شرنبلالیہ میں ہے کہ یہ ایک ناجائز صورت ''شراء باقل.. الخ'' کا حیلہ بھی ہے۔ [۳] پس بوقت ضرورت اس حیلہ سے کام لیا جاسکتا ہے، بلاضرورت حیلوں کا استعمال جائز نہیں)

---

(۱) ليس للواهب الرجوع إذا باع الموهوب له الموهوب من آخر ثم تقايلا، لأنه كالمشترى من المشترى منه (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳٤۲/۷) (۲)... المشترى إذا باع المبيع من آخر قبل نقد الثمن جاز للبائع شرائه منه بالأقل. (أى بعدالإقالة. اسامة) (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۳٤۲/۷) (۳)... وهذه كما فى الشرنبلالية: حيلة للشراء بأقل مما باع قبل نقد ثمنه. (شامي: ۳٤۲/۷)

(۵) بیع صرف (سونا چاندی کی بیع) میں جب اقالہ کیا جائے تو اس وقت بدلین پر قبضہ مجلس میں شرط ہے (جیسا کہ اس کی بیع میں شرط ہے) اس لئے کہ یہ شرط شریعت کا حق ہے، پس گویا شریعت کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے (یہاں فریق ثالث شریعت ہے)[۱]

(۶) کوئی چیز مثلاً گھر خریدا، پھر اس کو رہن (گروی) رکھا، یا اس کو کرایہ پر دیا، پھر اس گھر کا جو سودا ہوا تھا اس کا اقالہ کرنے کا اردہ ہوا تو مرتہن (جس کے پاس وہ گھر گروی رکھا ہے) یا مستأجر (جس کو کرایہ پر دیا ہے) کی اجازت شرط ہے، اس کے بغیر اقالہ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ ان دونوں کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے۔ پس جس طرح اس گھر کو دوسری جگہ بیچنا ہو تو ان دونوں کی اجازت شرط ہے تو اقالہ میں بھی شرط ہوگی۔[۲]

ربا (سود) کا بیان

۳۳۰- **ضابطہ**: جو زیادتی عقد میں بلا معاوضہ حاصل ہو وہ سود ہے۔[۳]

تشریح: جیسے ایک من گندم دے کر ایک من ایک سیر گندم لینا۔ دس تولہ چاندی دے کر گیارہ تولہ چاندی لینا۔ پانچ تولہ سونا دے کر ساڑھے پانچ تولہ سونا لینا یا جیسے ایک ہزار روپے دے کر گیارہ سو روپے لینا وغیرہ ـــــ سب سود ہے۔

---

(۱)......ویزاد التقابض فی الصرف (الدرالمختار)......قال فی الفتح: لأنه مستحق فی الشرع فکان بیعاً جدیداً فی حق الشرع. (شامی: ۷/ ۳۴۲)

(۲) لو اشتری داراً فأجرها أو رهنها، ثم تقایلا مع البائع ذکر فی النهر أخذاً من قولهم إنها بیع جدید فی حق ثالث أنها تتوقف علی إجازة المرتهن، أو قبضة دینه وعلی إجازة المستأجر. (شامی: ۷/۳۴۳)

(۳) وهو فی الشرع عبارة عن فضل مالا یقابله عوض فی معاوضة مال بمال. (هندیه: ۳/۱۱۷)

اور مدت (مہلت) کو اس زیادتی کا عوض قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ مدت محل عوض نہیں، یعنی مستقلاً اس کا عوض لینا جائز نہیں۔

اور ادھار بیع میں زیادہ قیمت لینے کی جو اجازت ہے، اس میں درحقیقت زیادہ قیمت مہلت کا عوض نہیں، بلکہ نفس شئ ہی کی قیمت ہوتی ہے اور مہلت کا اعتبار ضمناً ہوتا ہے اگرچہ دیتے وقت مہلت بھی پیش نظر ہو، اور وہ بھی صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ عروض (سامان) کا نقود (سونا چاندی یا روپے) سے تبادلہ ہو۔ اگر عروض کا عروض سے یا نقود کا نقود سے تبادلہ ہو (جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں ہے) تو وہاں ادھار میں زیادہ قیمت لینا جائز نہیں، کیونکہ اس وقت وہ زیادتی نفس مہلت ہی کا عوض ہوگی، اور مہلت کا مستقلاً عوض لینا جائز نہیں۔

۳۳۱- **ضابطہ**: جس چیز میں قدر اور جنس دونوں وصف موجود ہوں ان میں ربا الفضل اور ربا النسیئۃ دونوں متحقق ہوتے ہیں اور جس میں صرف ایک وصف ہو اس میں صرف ربا النسیئہ متحقق ہوتا ہے ربا الفضل متحقق نہیں ہوتا۔ (۱)

تشریح: قدر سے مراد اس چیز کا کیلی ووزنی ہونا ہے اور جنس سے مراد دو چیزوں کا ہم جنس ہونا ہے۔

اور ربا الفضل یہ ہے کہ: اموال ربویہ میں معاملہ کمی بیشی کے ساتھ کیا جائے۔

اور ربا النسیئۃ یہ ہے کہ: اموال ربویہ میں معاملہ ادھار کیا جائے یعنی کسی ایک عوض کو ادھار رکھا جائے۔ (اور اگر دونوں عوض ادھار ہو تو یہ بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ بھی ناجائز ہے)

پس جن دو عوضوں میں یہ دونوں علتیں موجود ہوں یعنی دونوں ہم جنس ہوں اور

---

(۱) فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ وإن عدما حلا وإن احدهما فقط حل التفاضل لاالنسأ. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهع: ۳/ ۱۲۱ –اللباب فى شرح الكتاب: ۱/ ۲۲۱)

دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں جیسے گندم کا گندم کے عوض ، یا تیل کا تیل کے عوض بیچنا تو ان میں ربا کی دونوں صورتیں جائز نہ ہوں گی یعنی نہ ربا الفضل جائز ہوگا اور نہ ربا النسیئۃ۔

اور جس میں صرف ایک علت ہو جیسے زمین کا زمین کے عوض یا بکری کا بکری کے عوض یا کپڑے کا کپڑے کے عوض تبادلہ (کہ اس میں صرف جنسیت ہے قدریت نہیں) یا گیہوں کا چاول کے عوض تبادلہ (کہ اس میں صرف قدریت ہے جنسیت نہیں) تو اس میں ربا الفضل (نقد کمی بیشی) تو جائز ہوگا، ربا النسیئۃ (ادھا معاملہ) جائز نہ ہوگا۔

اور جس میں ایک بھی علت نہ ہو جیسے چاندی کا تیل کے عوض بیچنا تو اس میں تفاضل اور نسیئۃ دونوں صورتیں جائز ہوں گی ، کیونکہ ان دونوں میں اختلاف جنس کے ساتھ قدریت کا بھی اختلاف ہے، قدریت کا اختلاف اس طرح کہ چاندی وزنی ہے اور تیل کیلی ہے، جبکہ قدریت میں اتفاق ضروری ہے یعنی دونوں وزنی ہوں یا دونوں کیلی ہوں۔ ایک وزنی ہو اور دوسرا کیلی ہو تو ان میں علت قدریت شمار نہ ہوگی۔ (۱)

فائدہ: دو ایسی چیزیں جن کی اصل الگ الگ ہو جیسے گائے کا گوشت اور دنبہ و بکرے کا گوشت ان کی جنس الگ متصور ہوگی۔ اسی طرح دو ایسی چیزیں جن کا مقصود مختلف ہو جیسے دنبہ کے اون اور بکری کے بال ان کی جنس بھی جداگانہ شمار ہوگی۔ (۲)

سوال: پھٹے ہوئے یا پرانے نوٹوں کو اچھے نوٹوں کے بدلہ میں یا ریزگاری کو نوٹوں کے بدلہ میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنے کو مفتیان کرام ناجائز کہتے ہیں (یعنی اس میں

---

(۱)......"وعلته القدر" هو القدر المتفق كبيع موزون بموزون أو مكيل بمكيل بخلاف المختلف كبيع مكيل بموزون نسيئة فإنه جائز......الخ (شامي: ۷/۴۰۵) (۲)......والحاصل أن الاختلاف باختلاف الأصل أو المقصود الخ (الدر المختار) (باختلاف الأصل).ك ..لحم البقر مع لحم الضأن (أو المقصود) كشعر المعز وصوف الغنم .(شامي: ۷/۴۱۸)

برابری ضروری ہے) جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ رحیمیہ ،فتاویٰ محمودیہ وغیرہ میں ہے۔[1] حالانکہ مذکور ضابطہ کے اعتبار سے یہ تبادلہ جائز ہونا چاہئے کیونکہ اس میں پہلی صورت (نوٹ کا نوٹ سے تبادلہ) میں علت ''قدریت'' اور دوسری صورت (نوٹ کا ریزگاری سے تبادلہ) میں دونوں ہی علتیں نہیں پائی جاتیں، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ نقد کمی بیشی تو کم از کم جائز ہو۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ پیسے ''ثمن'' ہیں اور ثمن میں اوصاف: ہدر (یعنی ناقابل اعتبار) ہوتے ہیں، پس ان کے باہم تبادلہ میں جو زیادتی ہوگی وہ بلا عوض رہے گی اور وہی اصل سود ہے جو قرآن نے حرام کیا ہے، یعنی زیادۃ بلاعوض، برخلاف ثمن کے علاوہ دیگر چیزوں میں کہ (جب تک علت ربا نہ ہو) ان میں اوصاف معتبر ہوتے ہیں پس ان میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ کسی وصف کے مقابل ہوتی ہے اور بلا عوض نہیں رہتی۔

استدراک: لیکن اگر کسی کے پاس پھٹی پرانی نوٹ ہو جو بازار میں کوئی لینے کو تیار نہ ہو اور بینک وغیرہ سے اس کے تبادلہ میں کوئی اس کا پورا روپیہ نہ دے تو اپنا حق کچھ کم لے لینا جائز ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ ''نوٹ کے لین دین میں زیادہ وکم لینا بقاعدۃ شریعت جائز نہیں، لیکن بہ مجبوری نوٹ کے بھنانے میں اگر پورا روپیہ کوئی نہ دے تو اپنا حق کچھ کم لے لینا درست ہے''۔[2]

۳۳۲- **ضابطہ**: دو ہم جنس میں ایسا تفاوت جو خلقی (قدرتی) ہو (جیسے خشک وتر ہونا؛ عمدہ وگھٹیا ہونا) باب ربا میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا، اور جو تفاوت بندوں کے فعل سے ہو (جیسے گیہوں اور گیہوں کا آٹا؛ بھونے ہوئے گیہوں اور سادہ گیہوں) اس کا

(۱) (فتاویٰ دار العلوم: ۱۴/ ۴۵۵-۴۵۶، رحیمیہ: ۵/ ۳۱۸، محمودیہ: ۳/ ۵۹، حاشیہ ۱، کتاب الزکوۃ)

(۲) (فتاویٰ دار العلوم: ۱۴/ ۴۵۵-۴۵۶)

اعتبار ہوتا ہے (یعنی وہ فساد پیدا کرتا ہے)[1]

تفریع: پس گیہوں کو گیہوں کے عوض یا کھجور کو کھجور کے عوض باہم برابری کے ساتھ بیچنا جائز ہے، اگر چہ ایک طرف عمدہ ہو اور دوسری طرف گھٹیا ہو یا ایک طرف خشک ہو اور دوسری طرف تر ہو، کیونکہ یہ تفاوت خلقی ہے اور خلقی تفاوت کا باب ربا میں اعتبار نہیں۔

لیکن گیہوں کو گیہوں کے آٹے کے عوض یا بھونے ہوئے گیہوں کو سادے گیہوں کے عوض بیچنا بالکل جائز نہیں خواہ کمی بیشی سے بیچا جائے یا برابری سے، کیونکہ ان میں جو تفاوت ہے وہ بندوں کے فعل سے ہے اور ایسا تفاوت معتبر ہوتا ہے، یعنی اس کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے ــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں ــــ یعنی گیہوں اور اس کے آٹے وغیرہ میں ــــ من وجہ مجانست باقی ہے جس کا باب ربا میں احتیاطاً اعتبار ہوتا ہے، ایسی صورت میں تساویاً جائز ہونا چاہئے، مگر ان کا پیمانہ کیل ہوتا ہے جس کی جہ سے برابری پیدا کرنا ممکن نہیں، کیونکہ آٹے کو پیمانہ میں ٹھوس کر بھرا جا سکتا ہے اور گیہوں کے دانوں کے درمیان خلا رہتا ہے اس لئے ان کو ٹھوس کر نہیں بھرا جا سکتا ہے، پس ان میں کمی بیشی رہے گی۔ اور یہ تفاوت چونکہ بندوں کا پیدا کردہ ہے اس لئے اس کا اعتبار ہوگا، قدرتی ہوتا جیسا کہ تر وخشک کی وجہ سے کمی بیشی رہنا تو اس کا اعتبار نہ ہوتا اور کیل کی ہی برابری کافی رہتی اگر چہ وزن میں کم وبیش ہو۔

پھر اس میں (یعنی گیہوں کو اس کے آٹے کے عوض وغیرہ میں) وزن سے بھی برابر کر کے بیچنا جائز نہ ہوگا کیونکہ کیلی چیز کو اس کے ہم جنس کے عوض وزن سے بیچنا جائز نہیں۔

ملحوظہ: یہ ساری تفصیل طرفین کے مسلک کے موافق ہے، اور چونکہ اکثر فقہ کی

---

(۱) کل تفاوت خلقی کالرطب والتمر والجید والردیء فھو ساقط الاعتبار، وکل تفاوت بصنع العباد کالحنطة بالدقیق والحنطة المقلية بغيرها يفسد .(الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۷/۴۱۶ - ۴۱۷)

کتابوں میں یہ مذکور ہے اور بہت سے مسائل کا حل اس پر موقوف ہے اس لئے اس کو ذکر کیا گیا، ورنہ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پیمانے اور وزن میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے یعنی عرف میں کوئی چیز وزنی ہے تو وزنی شمار ہوگی اور کیلی ہے تو کیلی شمار ہوگی خواہ اس کا کیلی یا وزنی ہونا ہونا منصوص ہو یا غیر منصوص، پس اس اعتبار سے گیہوں کو آٹے کے عوض، یا بھونے ہوئے گیہوں کو سادے گیہوں کے عوض وزنا برابر طریقہ سے بیچنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، پھر خلقی تفاوت اور مصنوعی تفاوت کے مابین کا فرق بھی ساقط الاعتبار ہوگا۔ علامہ کمال الدین نے امام ابو یوسف کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور علامہ شامی نے بھی دلائل کے بعد لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کا قوی ہونا مخفی نہیں۔ (۱)

۳۲۳- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کے کھلی کی بھی قیمت آتی ہو اس کو اس کے مغز (گری) کے عوض بیچا جائے تو ضروری ہے کہ وہ "مغز" اس چیز میں موجود "مغز" سے مقدار میں زیادہ ہو (تا کہ زیادتی کھلی کے عوض آجائے) ورنہ بیچنا جائز نہ ہوگا، سود ہوجائے گا ـــــ اور جس کے کھلی کی کوئی قیمت نہ ہو اس کو اس کے "مغز" کے عوض

---

(۱) ومانص الشارع على كونه كيلياً ...أو وزنياً فهو كذالك أبداً......وعن الثانى اعتبار العرف مطلقاً، ورجحه الكمال وخرج عليه سعيد أفندى...الخ (الدرالمختار) وفى الشامية: وحاصله توجيه قول أبى يوسف أن المعتبر العرف الطارىء بأنه لايخالف النص بل يوافقه، لأن النص على كيلة الأربعة ووزنية الذهب والفضة مبنى على ماكان فى زمنه صلى الله عليه وسلم من كون العرف كذالك، حتى لوكان العرف إذذاك بالعكس لورد النص موافقاً له، ولو تغير العرف فى حياته صلى الله عليه وسلم لنص على تغير الحكم. وملخصه: أن النص معلول بالعرف، فيكون المعتبر هو العرف فى أى زمن كان، ولايخفى أن هذا فيه تقوية لقول أبى يوسفؒ، فافهم. (شامى: ۷/ ٤١٠)

بیچنا مطلقاً جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: پس زیتون کو ''زیتون کے تیل'' کے عوض اور تل کو ''تل کے تیل'' کے عوض بیچنا جائے تو ضروری ہے کہ وہ خالص تیل اس زیتون اور تل میں موجود تیل کے مقابلہ میں زیادہ ہو، تاکہ جو زائد تیل ہے وہ کھلی کے مقابل ہو جائے اور چونکہ تیل اور کھلی دو مختلف جنس ہیں اس لئے ربا متحقق نہ ہوگا، لیکن اگر زیتون اور تل میں موجود جو تیل ہے وہ خالص تیل کے مقابلہ میں زیادہ ہو یا برابر ہو تو یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ اِدھر کھلی یا کھلی کے ساتھ تیل کی جو زیادتی ہوگی اُدھر (خالص تیل کی جانب) اس کا کوئی عوض نہ رہے گا، پس یہ زیادتی بلاعوض ہو کر سود پیدا کردے گی ـــــ یہی حکم ہوگا کھجور کو اس کے شیرہ کے عوض، اور بادام یا اخروٹ کو اس کے تیل کے عوض اگر بیع کی جائے، یعنی اگر شیرہ اس سے زائد ہو جو کھجور میں ہے اور تیل اس سے زائد ہو جو بادام یا اخروٹ میں ہے تو بیع جائز ہوگی، ورنہ جائز نہیں، بلکہ دوسری دھات سے مرکب سونا چاندی کو غیر مرکب سونا چاندی کے عوض بیچنا ہو تو اس میں بھی یہ شرط ہے کہ غیر مرکب زیادہ ہو، ورنہ جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ حکم ہر اس مبیع میں جاری ہوگا جو کسی دوسری چیز سے مرکب ہو مثلاً ایک ٹوکری میں کھجور اور گندم مکس ہے اور اس کی قیمت کھجور کی صورت میں مقرر کی تو یہ بیع اس وقت جائز ہوگی جب کہ ٹوکری والی کھجور کم ہو اور جو کھجور بطور ثمن کے دی جا رہی ہے وہ زائد ہو، تاکہ کھجور کا کھجور کے ساتھ تماثل ہو جائے اور زائد کھجور گندم کے عوض ہو جائے۔

---

(۱) ولاالزیتون بزیت والسمسم بحل ...حتی یکون الزیت والحل أکثر مما فی الزیتون والسمسم لیکون قدرہ بمثلہ والزائد بالثفل، وکذا کل مالثفلہ قیمۃ کجوز بدھنہ ولبن بسمنہ وعنب بعصیرہ،فإن لاقیمۃ لہ کبیع تراب ذھب بذھب فسد بالزیادۃ لربٰاالفضل .(الدرالمختار علی ھامش رد المحتار: ۷/ ۴۲۰ – ۴۲۱)

اور اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کے کھلی کی کوئی قیمت نہ آتی ہو جیسے سونے کی مٹی (یعنی جس مٹی میں سونے کے ذرات ہوں) کو سونے کے عوض بیچا جائے تو یہ بیع مطلقاً جائز نہ ہوگی یعنی نہ کمی بیشی سے جائز ہوگی اور نہ برابر طریقہ پر، کیونکہ ذرات اگرچہ مقوم ہیں لیکن نفس مٹی کی کوئی قیمت نہیں ہے اس مٹی کے مقابل میں کچھ سونا نہیں کیا جاسکتا۔ اب اگر برابر طریقہ پر بیچے تو اِدھر مٹی غیر مقوم ہونے کی وجہ سے کمی رہے گی اور اگر مٹی کی نفی کر کے خالص سونا کو ذرات کے مقابل کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ تقابل کس طرح کیا جائے؟ کیونکہ ذرات کی قطعی مقدار معلوم نہیں، پس شبہ ربا پیدا ہوگا اور شبہ ربا بھی جائز نہیں (اس میں جائز طریقہ یہ ہے کہ سونے کی مٹی کو پیسوں سے یا مخالف جنس مثلاً چاندی وغیرہ سے بیچا جائے)(۱)

۳۳۴-**ضابطه**: باب ربا میں عقد کے وقت تماثل کا اعتبار ہے، عقد کے بعد نہیں۔(۲)

تفریع: پس رطب (تر کھجور) کو تمر (خشک کھجور) کے عوض تساویاً بیچا، پھر بعد میں سوکھنے سے کمی بیشی ہوگئی تو کوئی فرق نہ آئے گا، ربا نہ ہوگا۔

لیکن بھونے ہوئے گیہوں کی بغیر بھونے ہوئے گیہوں سے بیع مطلقاً جائز نہ ہوگی، کیونکہ ان میں فی الحال تماثل نہیں، کیونکہ بھونے ہوئے میں تخلخل ہوتا ہے برخلاف بغیر بھونے ہوئے میں کہ ان میں ٹھوس پن ہوتا ہے پس کیل سے ناپنے میں ضرور کمی بیشی ہوگی۔

سوال: رطب کی تمر کے عوض بیع میں بھی تو رطب پیمانہ میں کم آئے گی اور تمر زیادہ آئے گی کیونکہ رطب موٹی ہوتی ہے اور تمر ٹھوس اور خشک ہوتی ہے۔ پھر یہ بیع کیوں جائز ہے؟ اور بھونے ہوئے گیہوں کی جائز نہیں؟

---

(۱)(بدائع: ٤/٤٢٢)(۲) فأبو حنيفةؒ يعتبر المساواة في الحال عند العقد ولايلتفت إلى النقصان في المآل. (بدائع الصنائع: ٤/٤٠٩)

جواب: بھونے ہوئے گیہوں اور رطب میں فرق ہے کہ بھونے ہوئے گیہوں جو پھولے ہوئے ہوتے ہیں ان میں ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے جو کہ غیر منتفع بہ ہے، اور رطب جو پھولی ہوئی ہوتی ہے اس میں شیرہ بھرا ہوا ہوتا ہے جو منتفع بہ ہے (البتہ بعد میں یہ شیرہ سوکھ جاتا ہے، لیکن اس کا اعتبار نہیں، عقد کے وقت تماثل کا اعتبار ہے) پس گیہوں کو کھجور پر قیاس کرنا درست نہیں۔

رطب اور تمر کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹی اور بڑی کھجور کی بیع کی جائے تو ظاہر ہے کہ بڑی کھجوریں صاع میں کم آئیں گی اور چھوٹی زیادہ آئیں گی، لیکن یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں بڑی کھجوروں میں جو کمی ہے وہ منتفع بہ چیز کے عوض ہے، برخلاف بھونے ہوئے گیہوں اور غیر بھونے ہوئے گیہوں کے کہ وہاں بھونے ہوئے گیہوں میں جو کمی ہے وہ صرف ہوا کی وجہ سے جو کہ غیر منتفع بہ ہے۔[1]

۳۳۵- **ضابطہ:** جہاں مفاضلت (کمی بیشی) جائز ہے وہاں مجازفت (اٹکل) جائز ہے اور جہاں مفاضلت جائز نہیں وہاں مجازفت جائز نہیں۔[2]

تفریع: پس اموال ربویہ میں مثلاً گیہوں کو گیہوں کے عوض یا چاول کو چاول کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض بیچا جائے تو اندازے سے (بغیر ناپے) بیچنا جائز نہیں۔ اور اگر ان کو غیر جنس سے بیچا جائے یا پیسوں سے بیچا جائے تو اندازاً بیچنا جائز ہے۔

۳۳۶- **ضابطہ:** جو بھی قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے، اور حرام ہے۔[3]

---

(۱) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی (مفتی تقی صاحب مدظلہ): ۱۱۴/۲)

(۲) والأصل فيه أن كلما جازت فيه المفاوضة جاز فيه المجازفة ومالافلا (بدائع: ٤/٤١٨)

(۳) كل قرض جر نفعا فهو رباحرام. (قواعد الفقه: ١٠٢، قاعده: ٢٣٠) (كنز العمال رقم الحديث: ١٥٥١٦ ج:٦ ص٢٣٨- اعلاء السنن ١٤/ ٤٩٨)

تفریعات:

(۱) قرض اور بیع جائز نہیں یعنی قرض دے کر مقروض کو کوئی چیز زیادہ قیمت پر بیچنا جائز نہیں، مثلاً ایک شخص کو پچاس ہزار روپے قرض چاہیئے، قرض دینے والے نے یہ شرط لگائی کہ آپ کو میری یہ بھینس پچیس ہزار میں خریدنی ہوگی جبکہ اس بھینس کی قیمت بیس ہزار ہے، مگر چونکہ وہ مجبور ہے اسے قرض چاہیئے اس لئے اس نے بیس ہزار کی بھینس پچیس ہزار میں خرید لی، یہ جائز نہیں کیونکہ بائع نے پانچ ہزار کا جو نفع کمایا ہے وہ قرض کی بنیاد پر کمایا ہے اور ضابطہ ہے جو بھی قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔

(۲) بینک میں فکسڈ ڈپازٹ رکھنا جائز نہیں، کیونکہ بینک اس رقم کو بطور قرض لیتی ہے اور اس پر کچھ معین رقم سود دیتی ہے۔ بلکہ بینک کا ہر سود خواہ سیونگ اکاؤنٹ کا ہو یا فکسڈ ڈپازٹ کا مذکور ضابطہ کے تحت آکر ناجائز و حرام ہے۔ اسی بنا پر ہمارے اکابرین کا فتویٰ ہے کہ بلا شدید مجبوری کے بینک میں رقم جمع رکھنا جائز نہیں، کہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے (فقراء اور غرباء کی امداد کی نیت سے بھی بینک میں رقم جمع کرنا (یا جمع رکھنا) جائز نہیں، کیونکہ ان کی امداد جائز طریقہ سے کرنے کا حکم ہے نہ کہ ناجائز طریقہ اختیار کر کے)

(۳) جس شخص کو مکان کرایہ پر دے رکھا ہے اس سے قرض مانگا، اس نے کہا میں قرض دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کرایہ میں سے اتنی مقدار کم کر دو، تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ قرض نفع گھسیٹ کر لا رہا ہے، پس سود ہو جائے گا۔

(لیکن اگر کرایہ دار ویسے ہی قرض دے یعنی اس قرض دینے میں نہ کرایہ کی کمی اور نہ اور کوئی رعایتی شرط عقد میں لگائی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں)

فائدہ: ہندوستان میں بعض سرکاری قرض ایسے ہیں جن میں سرکار کی طرف سے کچھ چھوٹ دی جاتی ہے (جسے سب سیڈی کہا جاتا ہے) اس قسم کے پلان (اسکیم) سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں ہے بلکہ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا ہے، اس

لئے اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم چھوٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے تو اگر وہ سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے ادا ہو جاتی ہو، اپنے پاس سے زائد رقم دینا نہ پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش ہے، اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے زیادہ دینی پڑے تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا۔ (۱)

۳۳۷- **ضابطہ**: ربا القرض اس وقت بنتا ہے جب قرض میں زیادتی کو شرط کردیا جائے ورنہ تبرع ہے۔ (۲)

تشریح: پس اگر قرض میں زیادتی شرط نہیں کی مگر مقروض اپنی خوشی سے زیادہ واپس کرے تو حرج نہیں (سود نہ ہوگا) بلکہ -خندہ پیشانی سے- زیادہ دینا مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ قرض میں مقدار واجب سے زیادہ ادا فرماتے اور فرماتے کہ یہ تمہارا حق ہے اور اس قدر مزید میری طرف سے عطا ہے، چنانچہ ابوداؤ کی حدیث ہے: ”عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه كان لی علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم دین فقضی لی وزادنی“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا، آپؐ نے مجھے وہ ادا کیا اور زیادہ دیا۔ (۳)

---

(۱)(فتاویٰ رحیمیه : ۳۱۲/۵،ملخصاً)(۲)(ھندیه ۲۰۲/۳)

(۳)(مشکوۃ: ۱/ ۳۵۳، بحواله ابوداؤد) وفی المرقاة:من استقرض شیئاًفرد أحسن أو أكثر منه من غیر شرطه كان محسنا ویحل ذالك للمقرض،وقال النووی رحمه الله تعالیٰ :یجوز للمقرض أخذ الزیادة سواء زاد فی الصفة أ وفی العدد ومذهب مالك أن الزیادة فی العدد منهی عنها ، وحجة أصحابنا عموم قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :”فإن خیر ←

انتباہ: ضابطہ میں ''ربا القرض'' کی قید اس لئے کہ یہ حکم اسی کے ساتھ خاص ہے۔ مطلق عقد کا یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ عقد میں تو زیادتی مشروط نہ ہو تب بھی سود ہو جاتا ہے، صرف اس کا عقد کے ضمن میں آجانا ہی کافی ہے۔ اسی وجہ سے دو ہم جنسوں کو مجازفتاً (اندازاً) بیچنا جائز نہیں ہوتا (البتہ اگر وہ زیادتی عقد میں مشروط نہ ہو اور نہ اس کے ضمن میں آئے بلکہ عقد کے بعد الگ سے ہدیہ کے طور پر اس کو دیا جائے تو پھر حرج نہیں)[۱]

۳۳۸- **ضابطہ:** جو بھی چیز ناجائز طریقہ سے حاصل ہو اس کا شرعی راستہ اس کو اس کے مالک تک پہنچا دینا ہے۔[۲]

تشریح: پس چوری یا غصب کیا ہوا مال یا سود سے حاصل شدہ مال کو مالک تک پہنچانا لازم ہے، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ درست نہیں۔

البتہ اگر مالک کا علم نہ ہو تو پھر اجر و ثواب کی نیت کے بغیر گویا اپنے اوپر سے ایک بوجھ ہٹا رہے ہو یہ سمجھ کر غرباء و مساکین پر اس کو صدقہ کرنا لازم ہے۔

لیکن بینک کے انٹرسٹ (سود) کے متعلق بوجہ مصلحت مفتیان کرام کا فتویٰ یہ

← الناس أحسنهم قضاءً "وفي الحديث دليل على أن رد الأجود في القرض أو الدين من السنة ومكارم الأخلاق وليس هو من قرضٍ جر منفعةً (مرقاة المفاتيح: ١١٧/٦، باب الافلاس، الفصل الثالث)

(١)(مشروط) تركه أولىٰ، فإنه مشعر بأن تحقق الربا يتوقف عليه وليس كذالك......فإن الزيادة بلا شرط ربا أيضاً إلا أن يهبها .(شامی :٧/ ٤٠٠) والقصد أن ذكر هذا القيدلايكون أن التعريف تاماً إلا بقصد أن المراد به أن الفضل ذكر لأحد المتعاقدين في ضمن العقد لأنه شرط صراحة كما هو المتبادر من لفظ المشروط (تقريرات الرافعي على هامش الشامية : ١٦١)

(٢) ماحصل بسبب خبيث فالسبيل رده .(قواعد الفقه ص:١١٥، قاعده: ٢٩٣)

ہے کہ اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے، بلکہ اسے نکال کر غرباء پر بغیر ثواب کی نیت کے (کہ مال حرام میں ثواب کی نیت صحیح نہیں) خرچ کردیا جائے ـــــ بعض حضرات نے رفاہی کام، مثلاً سڑک بنانے میں، سڑکوں پر روشنی کرنے میں، مسافر خانہ یا کنواں بنانے میں یا سروجنک ہسپتال تعمیر کرنے میں یا اس جیسی دیگر ضرورت میں بھی سود کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

مگر اپنی ذاتی استعمال میں لانا بالکل جائز نہیں، البتہ شدید وانتہائی مجبوری میں اس نیت سے خود استعمال کرسکتا ہے کہ گنجائش ہوجانے پر بعد میں اتنی ہی رقم صدقہ کردے گا، لیکن اس کا پورا حساب رکھنا اور ضرورت رفع ہوجانے پر صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ (۱)

نوٹ: باب ربا سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

بیع صرف کا بیان

تمہید: سونا چاندی کی ایک دوسرے سے خرید وفروخت کو "عقد صرف" کہتے ہیں۔ اگر دونوں طرف ایک ہی جنس ہو مثلاً سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ تو دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود ہوجائے گا اور اگر الگ الگ جنس ہو یعنی سونے کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری لازم نہیں، البتہ ادھار بیع بہر صورت ناجائز ہے، یعنی خواہ الگ جنس سے تبادلہ ہو یا ایک ہی جنس سے اور خواہ برابری کے ساتھ ہو یا کمی بیشی سے۔ (۲)

۳۳۹-**ضابطہ**: عقد صرف میں خیار شرط صحیح نہیں (اس سے عقد فاسد

(۱) والملك الخبيث سبيله التصدق، ولو صرفه فى حاجة نفسه جاز، ثم إن كان غنياً تصدق بمثله وإن كان فقيراً لايتصدق. (الاختيار لتعليل المختار: ۳/ ۶۱ أوائل كتاب الغصب)

(۲) (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۶/ ۴۱۷)

ہو جائے گا)

تشریح: کیونکہ عقد صرف میں فوری بیع کا ہو جانا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں کوئی مدت مقرر کرنا درست نہیں، مجلس میں بدلین پر قبضہ لازم ہوتا ہے، جبکہ خیار شرط میں بیع ''من لہ الخیار'' پر موقوف ہوتی ہے، فوری طور پر لازم نہیں ہوتی۔

اور خیا شرط کی قید لگائی، اس لئے کہ اس میں (عقد صرف میں) خیار رویئت وخیار عیب دونوں درست ہے۔[1]

۳۴۰- ضابطہ: ثمن خلقیہ میں صرف کے احکام جاری ہوتے ہیں ثمن اعتباریہ میں نہیں۔

تشریح: ثمن خلقیہ سے مراد سونا اور چاندی ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو پیدا ہی ثمن بننے کے لئے کیا ہے۔ اور ثمن اعتباریہ ہے کہ رواج کی وجہ سے یا کسی قانون نے اس کو ثمن بنا دیا ہو، جیسے آج کل کاغذ کے روپے (نوٹ) اسی طرح پیتل، تانبہ اور دھات وغیرہ کے سکے۔

تفریع: پس سونا چاندی (جو کہ ثمن خلقی ہیں) کی آپس میں ایک دوسرے سے بیع کی جائے تو مجلس میں قبضہ شرط ہے ورنہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ لیکن اگر سونا چاندی کی بیع روپے پیسوں (جو کہ ثمن اعتباریہ ہے) سے کی جائے تو اس میں مجلس میں قبضہ شرط نہیں، ادھار بیع بھی جائز ہے، کیونکہ درحقیقت یہ بیع صرف نہیں ہے۔[2]

۳۴۱- ضابطہ: ہر ملک کی کرنسی ایک مستقل (علاحدہ) جنس ہے۔[3]

(۱) (الحوالة السابقة: ٦/ ٤٢٣) (۲) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ۲/ ۷۹ تا ۸۸، ملخصا، احسن الفتاویٰ: ۶/ ۵۱۸)

(۳) (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۲۲، دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ، مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹) اسلام اور جدید معاشی (مفتی تقی صاحب): ۲/ ۸۴)

تفریع: پس ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، خواہ نقد تبادلہ ہو یا ادھار۔

اور دو ملکوں کی کرنسیاں مثلاً انڈین یا پاکستانی روپیوں کا ڈالر یا ریال سے تبادلہ فریقین کی آپسی رضامندی سے -کہ وہ جو بھی مقرر کریں- کمی بیشی سے جائز ہے، کیونکہ دو ملکوں کی کرنسیاں مختلف جنس ہے۔

البتہ ان میں ادھار معاملہ میں (سد باب کیلئے) ثمن مثل کی شرط لگانی ہوگی یعنی مختلف کرنسیوں کے تبادلہ میں ادھار معاملہ اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ ثمن مثل سے بیچا جائے اپنی طرف سے کوئی زیادہ قیمت مقرر نہ کی جائے، مثلاً آج ڈالر کو روپیوں میں بیچنا ہو تو جو چاہے قیمت مقرر کرلو، لیکن اگر دو مہینے کے بعد بیچنا ہے تو ثمن مثل سے بیچنا ضروری ہوگا یعنی فی الحال بازار میں جو قیمت چل رہی ہو اس کو مقرر کرنا ضروری ہوگا، تاکہ ربا کا ذریعہ نہ بنے۔ (۱)

دَین اور قرض کا بیان

۳۴۲- **ضابطہ**: ہر ''دَین حال'' کی تاجیل (مدت مقرر کرنا) صحیح ہے سوائے قرض کے کہ اس میں تاجیل صحیح نہیں۔ (۲)

تشریح: فقہ کی اصطلاح میں ''دَین'' کا لفظ عام ہے اور ''قرض'' کا لفظ خاص ہے۔ دین ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن میں ایک شخص کی کوئی چیز دوسرے کے ذمہ واجب الادا ہو، چاہے وہ بطور قرض ہو یا کسی مال کے عوض ہو یا کسی غیر متقوم شئی مثلاً انسانی جان یا عصمت کے بدلہ میں ہو۔ اور قرض وہ مال یا روپیہ پیسہ ہے جو کسی کو اس

(۱) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ۲/۸۵-۸۶ ملخصاً)

(۲) کل دین حال إذا اجله صاحبه صار مؤجلا إلا القرض فإن تأجیله لایصح (قدوری علی هامش الجوهرة النیرة: ۱ / ۲۷۲ مکتبه میر محمد کراچی)

نیت سے دیا جائے کہ وہ بعد میں ادا کردے گا۔ پس دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، کہ ہر قرض دین ہے، لیکن ہر دین قرض نہیں مثلاً دیت، مہر، نذر وغیرہ کہ وہ قرض نہیں صرف دین ہے۔ (۱)

اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ: ہر وہ دین جو فی الحال لازم ہو جیسے بیوعات کا ثمن، ہلاک کرنے والی چیز کا عوض وغیرہ اس میں مدیون کی رعایت میں کوئی مدت مقرر کرنا صحیح ہے، پھر جو بھی مدت مقرر کی جائے اس کی رعایت من لہ الدین پر لازم ہے، وقت سے پہلے اس کا مطالبہ جائز نہ ہوگا، اگر وہ مطالبہ کرے تو مدیون قاضی کے سامنے حجت پیش کرسکتا ہے ــــــ لیکن دیون میں قرض ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں تاجیل صحیح نہیں یعنی بطور لزوم کوئی مدت مقرر کرنا کہ اس سے پہلے مطالبہ درست نہ ہو ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی مدت مقرر کر بھی لی جائے تو وہ لازم نہ ہوگی، مقرض (قرض دینے والا) مقروض سے فوری مطالبہ کرسکتا ہے اور مقروض کے لئے ادا کرنا لازم ہوگا اور جو مدت بیان کی گئی ہے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرض ابتداء میں اعارہ اور صلہ ہے یہاں تک کہ لفظ "اعارہ" سے صحیح ہو جاتا ہے اور اس کا مالک نہیں ہوتا ہے وہ شخص جو تبرع کا مالک نہیں ہوتا ہے جیسے بچہ اور وصی، اور انتہاء میں قرض معاوضہ ہے، پس ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں تاجیل لازم نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ اعارہ میں، کیونکہ تبرع میں جبر نہیں ہوتا ہے اور انتہاء کا اعتبار کرتے ہوئے تاجیل صحیح ہی نہ ہونی چاہئے کیونکہ یہ پیسوں کی پیسوں کے بدلہ میں یا جنس کی جنس کے بدلہ میں ادھار بیع ہو جاتی ہے اور یہ سود ہے۔ (۲)

---

(۱) (مستفاد: التعريفات الفقهية (ملحق بقواعد الفقه): ۱۱٦، كشاف اصطلاحات الفنون: ۲/ ۵۰۲، شامی: ۷/ ۳۸۳)

(۲)......لأنه اعارة وصلة في الابتداء حتى تصح بلفظ الاعارة ولايملكه من لايملك التبرع كالصبي والوصي ومعاوضة في الانتهاء فعلى اعتبار ←

البتہ اخلاقی تقاضہ یہ ہے مُقرِض (قرض دینے والے) کو جب گنجائش ہو تو دی ہوئی مدت کی رعایت کرے، کہ قرض دار کو مہلت دینے میں بڑا ثواب ہے۔

فائدہ: فقہاء کے یہاں دَین کی ایک اور اصطلاح بھی ہے وہ یہ کہ جو چیز ذمہ میں ثابت ہو اور معین و مشخص نہ ہو جیسے سونا چاندی روپیہ پیسہ (یعنی جو چیز ثمن زر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے) اس کو دین کہتے ہیں اور جو چیز معین و مشخص ہو جاتی ہو، جیسے گیہوں، چاول، زمین، مکان وغیرہ وہ عین کہلاتی ہے، پس اس تفصیل کے مطابق فقہاء عین کے مقابلہ میں لفظ دین اور دین کے مقابلہ میں لفظ عین استعمال کرتے ہیں۔

۳۴۳- **ضابطہ:** مدیون کی موت سے تاجیل باطل ہو جاتی ہے نہ کہ دائن کی موت سے۔ [1]

تفریع: پس اگر کسی نے کوئی چیز ادھار قیمت میں خریدی اور مدت مثلا دو مہینہ مقرر کی، ابھی وہ مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے مشتری کا انتقال ہو گیا (جو کہ من علیہ الدین ہے) تو اب وہ تاجیل (مدت) باطل ہو گئی، بائع اس کے ورثا سے ثمن کا فوری مطالبہ کر سکتا ہے، کیونکہ تاجیل مشتری کا حق تھا اور صاحب حق کے موت سے اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ برخلاف اگر بائع (جو کہ من لہ الدین ہے) کا انتقال ہو جائے تو مشتری کا حق تاجیل باطل نہ ہوگا، پس بائع کے ورثاء مشتری سے جب تک مدت ختم نہ

← الابتداء لايلزم التأجيل فيه أى لمن اجله ابطاله كما فى الاعارة إذ لااجبار فى التبرع وعلى اعتبار الانتهاء لايصح تأجيله لأنه يصير بيع الدرهم بالدرهم نسيئة وهو ربوا (الجوهرة النيرة : ١ / ٢٧٣ مكتبه مير محمد كراچى)

(١) والأصل أن موت من عليه الدين يبطل الأجل لأن الأجل من حقه وقد يبطل حقه بموته وموت من له الدين لايبطل الأجل لأن الأجل من حق المطلوب وهو حىٌ وليس لورثته أن يطالبوه قبل الأجل. (الجوهرة النيرة : ١ / ٢٧٢ مكتبه مير محمد كراچى)

ہو جائے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

۳۴۴- **ضابطہ**: قرض فقط ذوات الامثال کا جائز ہے، ذوات القیم کا جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: ذوات الامثال سے مراد ایسی چیزیں ہیں جن کی ہر طرح سے تعیین ہو سکتی ہو، اور وہ چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات (گز سے ناپنے کی چیزیں) اور معدودات متقاربہ (یعنی ایسی گننے کی چیزیں جن کے افراد میں کم تفاوت ہوتا ہو جیسے انڈے، اخروٹ وغیرہ) ان کے علاوہ سب چیزیں ذوات القیم ہیں ان کا قرض جائز نہیں، کیونکہ ان میں باہم تفاوت کی وجہ سے واپسی کے وقت فریقین میں نزاع پیدا ہو سکتا ہے۔ (اور اگر نزاع کا امکان نہ ہو جیسے آج مشینی دور میں ایک طرح کی مصنوعات ہوتی ہیں تو ان کا قرض جائز ہونا چاہئے، مؤلف)

تفریع: پس حیوان کا قرض جائز نہیں، کیونکہ وہ ذوات القیم میں سے ہے ایک ہی نوع کے حیوان میں واضح فرق ہوتا ہے اور ان کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور ان کے گوشت کا قرض مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہے، کیونکہ گوشت (بوجہ موزون کے) ذوات الامثال میں سے ہے۔ (۲)

اسی طرح آٹا، چینی، تیل وغیرہ کا قرض جائز ہے، کیونکہ یہ ذوات الامثال میں سے ہیں ——— اور روٹی کے قرض میں اختلاف ہے شیخینؒ کے نزدیک جائز نہیں یہی قیاس ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک (تعامل کی بنا پر) جائز ہے، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۳)

فائدہ: عامتاً گھروں میں یہ جو رواج ہے کہ آٹا، چینی وغیرہ ختم ہونے پر پڑوس

(۱) وصح القرض فی مثلی...... لافی غیرہ من القیمات (الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۳۸۸/۷ — ھندیه: ۲۰۱/۳) (۲) (فتح القدیر: جلد۷ / ۸۰-۸۱ باب السلم) (۳) ویستقرض الخبز وزناً وعدداً عند محمد وعلیه الفتویٰ. ابن ملك. واستحسنه الکمال واختاره المصنف تیسیراً (شامی: ۷/ ۳۸۹)

میں سے ایک معین مقدار لیتے ہیں، پھر مہیا ہوجانے پر اتنا واپس کرتے ہیں تو یہ جائز ہے کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ درحقیقت بیع نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے "ربانسیئہ" صادق آئے بلکہ قرض ہے، چنانچہ اس لین دین کے وقت بیع کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ہے، بلکہ قرض ہی مقصود ہوتا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: "اگر جنس لے کر وہی جنس واپس لینے کا معاملہ کیا ہو مگر بیع یا مبادلہ یا معاوضہ کے الفاظ نہیں کہے تو یہ قرض ہے خواہ قرض کا لفظ کہے یا نہ کہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے" اھ(۱)

۳۴۵- **ضابطہ**: قرض میں مثل واپس کرنا ضروری ہے اور مثل میں اعتبار مقدار کا ہے نہ کہ ثمنیت کا۔(۲)

تشریح: پس اگر کسی نے ایک من گندم کسی سے قرض لئے اور ایک سال کے بعد وہ گندم واپس لے رہا ہے، دیتے وقت اس کی قیمت دوسو روپیہ تھی، اور ایک سال کے بعد قیمت چارسو روپیہ ہوگئی تو اب وہ ایک من گندم ہی واپس لے سکتا ہے، اس کی قیمت (چارسو روپیہ) کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ قرض میں مثل واپس کیا جاتا ہے نہ کہ اس کی قیمت ـــــ اسی طرح اگر قیمت کم ہوجائے مثلاً دوسو روپیہ کی بجائے سو روپیہ ہوجائے تب بھی وہ ایک من گندم ہی واپس لے گا، قرض دینے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ دو من گندم کا مطالبہ کرے، یعنی کہے کہ چونکہ قیمت گرگئی ہے لہٰذا اسی حساب سے مجھے دو من واپس کرو، کیونکہ قرض میں مثل واپس کرنا ضروری ہے اور مثل میں اعتبار

---

(۱)(احسن الفتاویٰ: ۱۷۴/۷)

(۲)والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فی القرض هی المثلية فی المقدار والكمية، دون المثلية فی القيمة والمالية. (بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارلعلوم کراچی)

مقدار کا ہے، نہ قیمت وثمنیت کا۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے اگر کسی نے سو روپیہ قرض دیا ہو تو آج وہ اتنے ہی واپس لے سکتا ہے کرنسی کا ویلیو گھٹ جانے (ڈاؤن ہونے) کی وجہ سے وہ سو کی بجائے دس ہزار کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ مثل کی واپسی لازم ہے خواہ اس کا ویلیو (حیثیت) کچھ بھی ہو جائے ـــــــ اور جہاں تک قیمتیں گرنے کی بات ہے تو وہ بازار کے حالات سے یا حکومت کی پالیسیوں سے گرتی ہے مقروض کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، پس اس کے اوپر کوئی ضمان لازم نہیں کیا جا سکتا۔ شرعاً کسی کو قرض دینا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے صندوق یا الماری میں پیسے رکھ کر لاک لگا دے (بند کر دے)، اب ظاہر ہے کہ ایک سال کے بعد اس کا ویلیو گھٹ جائے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا، اسی طرح کسی کو قرض دیا ہے تو مانگنے والے نے کوئی زبردستی تو نہیں کی تھی، آپ نے کھلی آنکھوں سے دیا ہے، اب اگر اس کی قیمت میں کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مقروض پر نہیں ڈالی جا سکتی۔

استدراک: لیکن اگر بازار میں مثل منقطع ہو جائے تو پھر مقروض پر یہ لازم ہے کہ آخری رواج کے وقت اس چیز کی جو قیمت تھی اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، یہی مفتی بہ ہے۔ (۲)

۳۴۶- **ضابطہ**: قرض شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ وہ شرط خود فاسد

(۱) وفي العتابية: من استقرض فغلت أو رخصت فعليه مثل ماقبض ولا ينظر إلى الغلاء أو الرخص، كمن استقرض حنطة فارتفع سعرها وغلا أو رخص (تاتارخانية: ۹/ ۳۹۴، مكتبه زكريا)

(۲) ولو استقرض الفلوس أو العدالى فكسدت ......وقال محمد قيمته في آخر يوم كانت رائجة وعليه الفتوىٰ. (هنديه: ۳/ ۲۰۴، شرح المجلة: ۴۹۰، رقم المادة ۸۹۱، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

ہوجاتی ہے (جیسا کہ نکاح وغیرہ کا حکم ہے)

تفریع: پس اگر قرض میں میلے پرانے پیسے ادا کئے اور شرط لگائی کہ اچھے اور بالکل نئے پیسے ادا کرنے ہوں گے، یا غلہ قرض لیا اور شرط لگائی کہ اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں اس کو ادا کرنا ہوگا وغیرہ تو ایسی شرط لغو ہوگی، مقروض کے لئے اس پر عمل ضروری نہ ہوگا اور قرض صحیح رہے گا۔ (۱)

۳۴۷- **ضابطہ**: مدیون جب ٹال مٹولی کرتا ہو تو صاحب دین اپنا بجنسہ دین جس طرح بھی ممکن ہو وصول کرسکتا ہے۔ (۲)

تشریح: جس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس سے وہ دَین چھین لیا یا خفیہ طور پر اس سے اپنی وہ چیز حاصل کرلی وغیرہ۔ لیکن وصولی کے لئے اس کا کوئی جانی یا مالی نقصان کرنا یعنی اس پر ظلم وزیادتی کرنا جائز نہ ہوگا۔

اور ضابطہ میں "بجنسہ" کی قید اصل مسئلہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ بدلے ہوئے حالات کی بنا پر مفتی بہ قول یہ ہے کہ غیر جنس سے بھی قرض یا دین وصول کرنا جائز ہے، کیونکہ اب حقوق العباد میں غفلت عام ہوگئی ہے، باوجود گنجائش کے بہت سے جلدی قرض ادا کرنا نہیں چاہتے۔ (۳)

---

(۱) القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لایبطله ولکنه یلغو شرط رد شیء آخر، فلو استقرض الدراهم المکسورة علی أن یؤدی صحیحاً کان باطلاً وکذا لو أقرضه طعاماً بشرط رده فی مکان آخر (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۳۹۴/۷) (۲) لصاحب الدین إذا ظفر بجنس حقه أن یأخذه (قواعد الفقه ص: ۱۰۳، قاعده: ۲۳۹) (۳) قال الحموی:......إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان فی زمانهم لمطاوعتهم فی الحقوق والفتویٰ الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أی مال کان، لاسیما فی دیارنا لمداومتهم العقوق (شامی: ۲۲۱/۹، کتاب الحجر — حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۸۶/٤ کتاب الحجر)

۳۴۸-**ضابطہ**:ایسی چیزیں جن میں قرض جاری ہوسکتا ہے، عاریت پر لینا قرض کے حکم میں ہوتا ہے، اور جن میں قرض جاری نہیں ہوتا مثلاً حیوان وغیرہ ان کو عاریت لیناعاریت ہی رہتا ہے۔[۱]

تشریح: عاریت یہ ہے کہ بلاعوض کسی چیز کے نفع کا کسی کو مالک بنانا، مثلاً گھر دیا تا کہ اس میں رہائش کرے، یا جانور دیا تا کہ اس کے دودھ سے فائدہ حاصل کرے، یا گاڑی دی تا کہ اس پر سواری کرے اوراس پراس سے کسی قسم کا عوض نہ لیا جائے۔

اس میں مالک کو جب وہ مطالبہ کرے بعینہ وہی چیز واپس کرنا لازم ہوتا ہے، اور اگر مستعیر (عاریت لینے والے) کے پاس وہ چیز ضائع ہوجائے تو اس کا ضمان اس پر واجب نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس کی طرف سے اس میں تعدی نہ ہوئی ہو، یعنی مالک کی ہدایت سے تجاوز کر کے اس کو استعمال نہ کیا ہواور نہ عرف کے خلاف اس کو استعمال کیا ہو۔[۲] برخلاف قرض کہ اس میں مثل واجب ہوتا ہے، اور واپسی بہر صورت لازم ہوتی ہے، خواہ مقروض کے پاس وہ چیز ہلاک ہوجائے یا باقی رہے۔

اس تمہید کے بعد اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ جن چیزوں میں قرض جاری ہوتا ہے(یعنی ذوات الامثال میں) ان کو عاریت پر لینا قرض کے حکم میں ہوتا ہےاور قرض کے جو احکام ہوتے ہیں وہ اس پر جاری ہوں گے اور جن میں قرض جاری نہیں ہوتا (یعنی ذوات القیم میں) ان کو عاریت پر لینا عاریت ہی رہتا ہے اس میں قرض کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ عاریت ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

نوٹ: ذوات الامثال اور ذوات القیم کی تشریح ضابطہ نمبر ۳۴۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱)عارية كل شيء يجوز قرضه قرض وعارية كل شيء لايجوز قرضه عارية. (هنديه :۳/ ۲۰۷)(۲)ولاتضمن بالهلاك من غير تعد.الخ (الدر المختار على هامش الرد: ۸/۴۷۶، كتاب العارية)

۳۴۹- **ضابطہ**: قرض کی بیع جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: اس کی صورت یہ ہے کہ: کسی کو مثلا ایک لاکھ روپے قرض دیئے ہیں، اور مقروض میں فوری دینے کی استطاعت نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سال بعد دینے کو کہتا ہے، لیکن مالک کو فی الحال رقم کی ضرورت ہے، تو وہ اپنے اس ایک لاکھ کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ ننانوے ہزار میں بیچ دے کہ تم فلاں سے ایک سال کے بعد ایک لاکھ وصول کر لینا جو میرے اس کے ذمہ ہے اور مجھے ابھی ننانوے ہزار دیدو تو یہ جائز نہیں۔

میعادی چیک کے خرید وفروخت کا بھی یہی حکم ہے یعنی مثلا دس ہزار کے چیک کو جو دو مہینے کے بعد پے ہوگا کسی کو نوسو پچاس میں بیچ دیا تو جائز نہیں۔

اور یہ بیع بظاہر ''بیع الجامکیہ'' کے مرادف ہے، جامکیہ کہتے ہیں محکمہ وبیت المال وغیرہ سے جو سالانا یا ماہانہ وظائف دیئے جاتے ہیں۔ اور بیع جامکیہ یہ ہے کہ کوئی ''وظیفہ یاب'' قبل از وقت روپیہ کا ضرورت مند ہو اور وہ کسی آدمی سے کہے کہ تم اس قدر روپیہ ادا کرکے میرا وظیفہ خرید لو جو وقت پر حاصل کر لو گے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ خاص مقروض کے علاوہ دوسرے سے ''دین'' کی بیع درست نہیں۔ (۲)

البتہ فتاویٰ دار العلوم میں دین وقرض کی بیع کے سلسلہ میں جواز کی یہ صورت بیان کی ہے کہ: جس سے قرض لیا جائے اس کو اپنے قرض کے وصول کا وکیل بنا دیا جائے اور بحیثیت وکیل اس کے لئے کوئی اجرت مقرر کی جائے، مثلا کہا تم مجھے ابھی اتنا قرض دو اور میرا جو قرض جو فلاں کے ذمہ ہے اس کے وصول کے وکیل بن جاؤ میں اس پر اجرت دوں گا تو یہ درست ہے۔ (۳) (گویا یہ جواز کا ایک حیلہ ہے جو بوقت مجبوری استعمال

---

(۱) (الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۳۳/۷)

(۱) وأفتی المصنف ببطلان بیع الجامکیة لما فی الأشباه: بیع الدین إنما یجوز من المدیون (الدر المختار علی ھامش ردالمحتار: ۳۳/۷، والتفصیل فی ردالمحتار)

(۳) (فتاویٰ دار العلوم: ۲۹۰/۱٤، ملخصاً)

کیا جاسکتا ہے، بلا مجبوری اس طرح کے حیلے جائز نہیں، مؤلف)

قمار (جوا) کا بیان

۳۵۰-ضابطہ: ہر وہ معاملہ جو نفع ونقصان کے درمیان دائر ہو وہ قمار اور میسر (اور اردو زبان میں "جوا" یا "سٹّا") کہلاتا ہے۔[1]

جیسے:

(۱) دو شخص (یا دو ٹیمیں) آپس میں بازی لگائیں کہ اس کھیل میں تم جیت گئے تو میں تم کو ایک ہزار روپے دوں گا اور میں جیت گیا تو تمہیں ایک ہزار روپے دینے پڑیں گے —— یا اس طرح کہ اگر فلاں ٹیم جیت گئی تو تم ایک ہزار روپے مجھے دوگے اور اگر ہار گئی میں تمہیں دوں گا تو یہ دونوں صورتیں قمار کی ہیں۔

البتہ اگر یک طرفہ شرط ہو مثلاً زید آگے بڑھ گیا تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے گا اور اگر عمر آگے بڑھ گیا تو زید پر کچھ لازم نہیں، یا کسی تیسرے شخص کی طرف سے جیتنے والے کے لئے کوئی انعام مقرر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے —— بلکہ دو طرفہ شرط بھی احناف کے یہاں ایک خاص صورت میں جائز ہے وہ یہ کہ فریقین تیسرے شخص مثلاً خالد کو داخل کردیں جس پر کچھ دینا لازم نہ ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: زید آگے بڑھے تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے اور عمر آگے بڑھ جائے تو اتنی رقم زید اس کو ادا کرے اور اگر خالد آگے بڑھ جائے تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہ ہو۔

ب: شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے تو زید وعمر دونوں اس کو ایک ہزار روپے دیں اور اگر زید وعمر دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک آگے بڑھ جائے تو خالد پر

---

(۱)(جواھر الفقه : ۲/ ۳۳۶، شامی :۹/ ۵۷۷، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

کچھ دینا لازم نہ ہو، لیکن زید وعمر میں باہم جو آگے بڑھ جائے تو دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو۔

ان دونوں صورتوں میں تیسرا آدمی جو شریک کیا گیا ہے اس کو اصطلاح میں ''محلِّل'' کہتے ہیں۔ اس محلل کا مساوی حیثیت رکھنا ضروری ہے یعنی اس کے آگے بڑھ جانے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں، ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہ جانا یقینی ہو یا زیادہ قوی یا چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو ورنہ اس طرح کرنا جائز نہ ہوگا۔ (۱)

(۲) بند ڈبّے ایک مقررہ قیمت پر مثلاً دس روپے فی ڈبّہ کے حساب سے بیچے جائیں، کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیز ہو، کسی میں دس اور کسی میں پندرہ روپے کی اور کسی میں بیس روپے کی چیز ہو تو اس طرح نفع ونقصان کے درمیان دائر صورت کے ساتھ بیچنا قمار ہے۔ (۲)

(۳) دس آدمیوں نے دس دس روپے نکالے، کل سو روپے ہوئے، اب اس پر قرع اندازی کی گئی اور جس کا نام نکل آیا وہ ان سو روپیہ کا مالک ہو گیا (جیسا کہ لاٹری میں ہوتا ہے) تو یہ قمار ہے۔

البتہ مروجہ کمیٹی جسے سوسائیٹی اور بیسی بھی کہتے ہیں، کہ جس میں چند آدمی رقم جمع کرتے ہیں پھر قرع اندازی کے ذریعہ کسی ایک کو وہ رقم دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ باری باری سب کو ان کی رقم واپس مل جاتی ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جائز ہے، کہ یہ قرض کے لین دین کا معاملہ ہے۔ (۳)

---

(۱) (مستفاد جواهر الفقه : ۲/ ۳۴۹، م: تفسیر القرآن دیوبند، الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۹/ ۵۷۷، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

(۲) (جواهر الفقه : ۲/ ۳۴۴) (۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶/ ۲۷۰، م: دار الکتاب دیوبند)

(۴) امداد باہمی کے نام سے ''انشورنس'' کی جتنی صورتیں ہیں: خواہ مالی انشورنس ہو یا جانی سب قمار کے دائرے میں آتے ہیں اور ناجائز ہیں۔[۱] البتہ مالی و میڈیکل انشورنس کو ضرورت و حالات کی بنا پر مفتیان کرام نے کچھ شرائط کے ساتھ گنجائش دی ہے۔[۲]

(۵) اخباری معمہ حل کر کے اس طرح انعام حاصل کرنا کہ اس کے ساتھ کچھ فیس (روپیہ یا دو روپیہ) بھی بھیجنا شرط ہو (خواہ اس فیس کا عنوان داخلہ فیس وغیرہ کچھ بھی رکھ لیا جائے) تو یہ قمار ہے۔[۳]

البتہ اگر فیس لازم نہ ہو اور اخبار میں یہ اشتہا ہو کہ جو بھی اس معمہ کو حل کر دے گا اس کو انعام دیا جائے گا پھر کسی نے حل کر دیا اور انعام حاصل کیا تو یہ جائز ہے، اس انعام کو استعمال کر سکتا ہے۔[۴]

(۶) چند آدمی مل کر روزانہ قرع اندازی کریں اور جس کا نام قرع میں نکل آئے وہ سب کی کھانے کی دعوت کرے تو یہ جائز نہیں، قمار ہے۔

البتہ اگر یہ صورت ہو کہ جس کا نام ایک بار نکل آئے آئندہ اس کا نام قرع اندازی میں شامل نہ کیا جائے یہاں تک کہ تمام رفقاء کی باری پوری ہو جائے تو یہ جائز ہے، کہ اس صورت میں قرع سے صرف ترتیب نکالی ہے نہ کہ نفع و نقصان کو اخذ کیا ہے۔[۵]

(۷) کبھی چائے پتی وغیرہ خریدنے میں کمپنی کی طرف سے انعام ملتا ہے اور کبھی

---

(۱) (جواهر الفقه: ۲/۳۴۵)

(۲) (تفصیل کے لئے دیکھئے: ایضاح النوادر (مفتی شبیر صاحب) ص: ۱۴۱ - نئے مسائل اور فقہ اسلامی کے فیصلے، ص: ۱۴۳ - فتاویٰ دار العلوم: ۱۴/۵۰۹، حاشیہ)

(۳) (جواهر الفقه: ۲/۳۴۳، فتاویٰ محمودیه: ۱۶/۴۴۲)

(۴) (فتاویٰ محمودیه: ۱۶/۴۴۳-۴۴۴)

(۵) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۲۶۳، مکتبہ: دار الکتاب دیوبند)

نہیں ملتا ہے تو اس میں مدار نیت پر ہوگا اگر موہوم انعام کی غرض سے پتی یا چینی خریدی ہے تو یہ ایک گونہ قمار کا ارتکاب کرنا ہے جو نا جائز ہے اور جس کے پیش نظر صرف چینی، پتی خریدنی ہے انعام کی ہوس پیش نظر نہیں پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا تو وہ قواعد کی رو سے قمار سے بھی نکل گیا۔ (۱)

(۸) آج کل یہ کاروبار عام ہے کہ مثلاً موٹر سائیکل کے خریدار کمپنی میں ہر ماہ (ایک طے شدہ مدت تک) قسط وار پیسے جمع کرتے ہیں اور ہر ماہ قرع اندازی ہوتی ہے اگر کسی کا نام قرع میں نکل آیا تو موٹر سائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور بقیہ تمام اقساط معاف کردی جاتی ہیں اور اگر اخیر تک قرع اندازی میں خریدار کا نام نہ نکلا تو پھر اس کو وہ موٹر سائیکل دیدی جاتی ہے، اور اس کی آخری قسط تک بھری ہوئی رقم موٹر سائیکل کی وہ قیمت ہوتی ہے جو مارکیٹ میں چل رہی ہوتی ہے۔ تو اس طرح کا معاملہ قواعد کی رو سے جائز ہے کیونکہ یہ قیمت میں کمپنی کی طرف سے رعایت ہے اور کس خریدار کو رعایت دی جائے اس کا انتخاب وہ بذریعہ قرع اندازی کرتے ہیں اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں، اگرچہ ابتداء میں ثمن غیر متعین ہوتا ہے لیکن قرع میں جب نام نکل آئے گا اس وقت ثمن متعین ہو جائے گا اس لئے انجام کار یہ معاملہ درست ہو جاتا ہے۔

یہ تو معاملہ کی ایک ظاہری صورت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کاروبار کے اس طریقہ کے پیچھے ذہن قمار ہی کا کارفرما ہوتا ہے، اس لئے ایسے معاملہ سے احتیاط کرنی چاہئے اور موجود حالات کو دیکھتے ہوئے کم از کم یہ کراہیت سے خالی نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) (جواهر الفقه: ۲/ ۳۴۵ ملخصاً)

(۲) (مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۶/ ۵۱۸، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص: ۲۷۶)

کتاب الإجارة

۳۵۱-**ضابطه**: ہر وہ چیز جو شرعاً قابل انتفاع ہو اس کا اجارہ (وبیع) جائز ہے۔[(۱)]

۳۵۲-**ضابطه**: ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اجارہ میں اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔[(۲)]

تشریح: ثمن سے مراد بدل ہے، پس اس میں اعیان: گیہوں، چاول، تیل یعنی مکیلی وموزونی چیزیں اور جانور، گھر وغیرہ بھی داخل ہوں گے، کیونکہ بیع مقایضہ میں وہ بدل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اجارہ میں اجرت کی بھی صلاحیت رکھیں گے۔[(۳)]

استدراک: لیکن اس ضابطہ میں عکس جاری نہ ہوگا، یعنی یہ نہیں کہہ سکتے: ''جو چیز بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ اجارہ میں اجرت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی'' کیونکہ منفعت کا منفعت کے ذریعہ اجارہ درست ہے جبکہ دونوں کی جنس مختلف ہو اور بیع میں منفعت کو ثمن (بدل) بنانا قطعاً درست نہیں۔[(۴)]

---

(۱)کل ماینتفع به فجائز بیعه والإجارة علیه. (القواعدالفقهية :۱۲۸، دارالقلم، دمشق) (۲)کل ماصلح ثمناأی بدلاً فی البیع صلح اجرةً. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۹/۵-۶، بدائع ۴/۴۸) (۳)(أی بدلاً فی البیع) فدخل فیه الأعیان، فإنها تصلح بدلاً فی المقایضة فتصلح الأجرة. (شامی :۹/۶) (۴)ولاینعکس کلیاً ،فلا یقال مالا یجوز ثمناً لایجوز أجرة لجوز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلفا. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۹/۶)

۳۵۳- **ضابطہ**: معقود علیہ کی ہم جنس سے منفعت کو اجرت بنانا درست نہیں۔[۱]

جیسے میں یہ گاڑی کرایہ پر دیتا ہوں اور اس کا کرایہ یہ ہے کہ تمہاری گاڑی استعمال کروں گا، یا میں گھر کرایہ پر دیتا ہوں اور اس کی اجرت یہ ہے کہ میں تمہارے فلاں گھر میں رہوں گا وغیرہ۔تو یہ اجارہ درست نہیں۔

اور ''معقو علیہ کی ہم جنس کی'' قید اس لئے کہ اگر منفعت اس جنس کی نہ ہو بلکہ خلاف جنس کی ہو تو وہ اجرت بن سکتی ہے، جیسے میں یہ گاڑی کرایہ پر دیتا ہوں اور اس کا کرایہ یہ ہے کہ تمہارے گھر میں رہوں گا تو یہ اجارہ صحیح ہے، کیونکہ گاڑی اور گھر دونوں الگ الگ جنس ہیں، یا جیسے میں یہ بیل اجرت پر دیتا ہوں اور اس کی اجرت یہ ہے کہ تمہارے گدھے سے سواری یا بوجھ اٹھانے کا کام لوں گا تو درست ہے کیونکہ بیل اور گدھے کی جنس مختلف ہے۔[۲]

۳۵۴- **ضابطہ**: جس چیز کا اجارہ ہو رہا ہے، ضروری ہے کہ عرف میں اس کا اجارہ ہوتا ہو، ورنہ اجرت لینا صحیح نہ ہوگا۔[۳]

جیسے تم میرے درخت سے سایہ حاصل کرو گے اور اس کی اجرت یہ ہوگی، یا میرے

---

(۲)ومنها أن لا تكون الأجرة منفعة هي من جنس المعقود عليه (هنديه : ٤/ ٤١١)

(۳) إجارة المنفعة بالمنفعة تجوزإذا اختلفا جنساً كإستجار سكنى دارا بزراعة أرض، وإذااتحدا لا تجوز كإجارة السكنى بالسكنى واللبس باللبس والركوب بالركوب ونحو ذالك.(اللدرالمختار) وفى الشامية: ومعاوضه البقر بالبقر فى الأكداس لاتجوز لاتحاد الجنس والبقر بالحمير يجوز لاختلاف الجنس. (شامى: ٩/ ٨٥)(۳)ومنها أن تكون المنفعة مقصودة معتادا استيفاؤها بعقد الإجارة ولايجرى بها التعامل بين الناس فلايجوز استئجار الأشجارلتجفيف الثياب عليها.(هنديه : ٤/ ٤١١ ،بدائع ٤/ ٤٦)

گھر یا دکان کی روشنی میں اپنا کام کروگے اور اس کا معاوضہ یہ ہوگا وغیرہ تو ایسا اجارہ صحیح نہیں، اس پر معاوضہ لینا جائز نہ ہوگا۔

۳۵۵-**ضابطہ**: زینت وتجمل کے لئے کسی چیز کو کرایہ پر لینا جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: پس گھر وغیرہ کو محض سجانے کے لئے جھاڑ فانوس، برتن، پھول وغیرہ کرایہ پر لیا تو درست نہیں، اگر لیا تو دینے والا کرایہ کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ منافع کی بیع ضرورت کی وجہ سے ہے اور زینت وتجمل میں کوئی خاص ضرورت نہیں۔

استدراک: لیکن اگر اس کا عرف ہوجائے جیسا کہ شادی وغیرہ کے موقع پر پنڈال والے فانوس وغیرہ سے محفل سجاتے ہیں اور اس کا کرایہ لیتے ہیں تو یہ ایک گونہ ضرورت میں داخل ہوگا اور اس کی گنجائش ہوگی۔

۳۵۶-**ضابطہ**: اجارۂ صحیحہ میں جب منفعت پر قدرت حاصل ہوجائے تو (وقت گذرنے پر) کرایہ لازم ہوجاتا ہے، خواہ منفعت حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔ (۲)

تشریح: پس مکان، دکان یا گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر لیا اور مالک نے اس پر قدرت بھی دیدی تو جو کرایہ طے ہوا ہو (وقت گذرنے پر) وہ لازم ہوگا خواہ کرایہ دار نے اس چیز کو استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (۳)

اور اجارۂ صحیحہ کی قید اس لئے کہ اجارۂ فاسدہ میں کرایہ اس چیز کو استعمال کرنے

---

(۱) استیجار الآنية والظروف لوضعها فی البيت لأجل التجمل والزينة دون الاستعمال والانتفاع بها غير جائز. (الفتاویٰ الهنديه: ٤/٤٥٤ -الدر المختار علی هامش رد المحتار: ٥/٩)

(۲) تلزم الأجرة أيضاً فی الإجارة الصحيحة بالاقتدار علی استيفاء المنفعة. (شرح المجلة: ١/٢٦٣ -رقم المادة: ٤٧)

(۳) مثلاًلو استأجر أحد داراً باجارة صحيحة، فبعد قبضها يلزمه إعطاء الأجرة وإن لم يسكنها. (شرح المجلة: ١/٢٦٣ - رقم المادة: ٤٧)

سے لازم ہوتا ہے، محض قدرت سے لازم نہیں ہوتا۔ (۱)

۳۵۷-**ضابطہ**: مکان یا دکان کے اجارہ میں ہر وہ عمل جو تعمیر کو کمزور کرتا ہو یا کوئی نقصان کرتا ہو (جیسے بڑی چکی چلانا؛ لوہار جیسا کام کرنا؛ دیوار میں کوئی الماری نکالنا وغیرہ) اس کو مالک کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں، اور جس سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو (جیسے ضرورت کے وقت چھوٹی موٹی کیل لگانا جو عمارت کو نقصان نہ کرے؛ ہاتھ کی چھوٹی چکی استعمال کرنا؛ آنگن میں سے ریت لینا؛ جانور باندھنا وغیرہ غرض عرف عام میں جس کو کرایہ دار کرتے رہتے ہیں) مطلق عقد ہی میں اس کی اجازت شامل ہوتی ہے اور کرایہ دار اس کا مستحق ہوتا ہے (اس میں مالک سے الگ اجازت لینے کی ضرورت نہیں) (۲)

۳۵۸-**ضابطہ**: جو شخص عقد اجارہ سے کسی منفعت کا مالک ہوا، اس کے لئے اس منفعت کو اس (طے شدہ چیز) سے یا اس کے مثل سے مکمل حاصل کرنا یا کم حاصل کرنا تو جائز ہے، لیکن زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ (۳)

---

(۱) أما فی الفاسدة فلایجب الأجر إلا بحقیقة الانتفاع. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۹/ ۱۵)

(۲) کل مایوهن البناء أو فیه ضرر لیس له أن یعمل فیها إلا بإذن صاحبها، وکل مالا ضرر فیه جاز له بملطق العقد واستحقه به. (شامی: ۳۸۹، هندیه: ۴/ ۴۷۰) وله أن یعمل فیهما أی الحانوت والدار کل ماأراد فیتد ویربط دوابه ویکسر حطبه ویستنجی بجداره ویتخذ بالوعة إن لم تضر.. وبه یفتی (الدر المختار) وفی الخلاصة: لایمنع من رحی الید إن کان لایضر.. الخ. (شامی: ۹/ ۳۷)

(۳) والأصل أن من استحق منفعة مقدرة بالعقد فاستوفها أو مثلها أو دونها جاز، ولو اکثر لم یجز. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۹/ ۴۸)

تفریعات:

(۱) پس گاڑی یا جانور کو مثلاً پچاس کیلو گیہوں لادنے کیلئے کرایہ پر لیا تو اتنے ہی گیہوں یا اس کے مثل چاول یا رائی وغیرہ کا (جو نقصان نہ کرتا ہو) لادنا تو جائز ہے، اسی طرح اس سے کم لادنا بھی بدرجہ اولی جائز ہے، لیکن پچاس کلو سے زیادہ کسی چیز کا لادنا بالکل جائز نہیں، جس قدر زیادتی ہوگی اس کا کرایہ لازم ہوگا اور اگر اس کی وجہ سے گاڑی یا جانور ہلاک ہوگیا تو اس کے حساب سے تاوان بھی آئے گا۔[۱]

(۲) ٹرین یا بس کی فل ٹکٹ پر (اگر قانوناً اجازت ہو) تو ہاف ٹکٹ والا شخص سفر کرسکتا ہے حرج نہیں، لیکن بڑی عمر والے کو گیارہ سال کا بچہ بتا کر نصف کرایہ ادا کرنا بالکل جائز نہیں، نصف کرایہ ذمہ میں باقی رہے گا۔

۳۵۹- **ضابطہ**: اجرت کی تعجیل یا تاجیل کے متعلق عاقدین میں جو کچھ طے ہو اس کا اعتبار ہوگا۔[۲]

تشریح: تعجیل سے مراد کرایہ پیشگی ادا کرنا اور تاجیل سے مراد کرایہ تاخیر سے ادا کرنا۔ پس عاقدین (اجر یر و مستاجر) کل کرایہ کو پیشگی یا بعد میں، یا کچھ کرایہ کو پیشگی اور کچھ کو بعد میں دینے کے متعلق جو کچھ بھی طے کریں وہ درست ہے اور اس کی رعایت دونوں پر لازم ہے۔

تفریع: پس پگڑی (حق خلو) کو اگر پیشگی کرایہ کا کچھ حصہ تسلیم کرلیا جائے تو حرج نہیں، اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔[۳]

۳۶۰- **ضابطہ**: جتنے کرایہ پر مکان یا دکان وغیرہ کو لیا ہے اس سے زیادہ کرایہ پر کسی اور کو دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ خلاف جنس سے کرایہ مقرر کرے، یا اس میں اس نے

---

(۱) (شامی: ۹/ ۴۹) (۲) یعتبر ویراعی کل ماشترط العاقدان فی تعجیل الأجرة وتاجیلها. (شرح المجلة: ۱/ ۲۶۵، رقم المادة ۴۷۳)

(۳) (فتاویٰ محمودیه: ۱۶/ ۵۸۲ - ۵۸۴)

ایسی اصلاح ومرمت کی ہو جو قائم ہو (خارج میں موجود ہو)(۱)

تشریح: خلاف جنس سے کرایہ مقرر کرنا: مثلاً اس نے کرایہ پیسوں سے ادا کیا ہے تو دوسرے کو دینے میں سونا، چاندی یا چاول یا گیہوں وغیرہ مقرر کرے تو پھر زیادہ کرایہ پر دینا جائز ہے۔

یا کرایہ اسی جنس سے ہو لیکن اس دکان یا مکان میں ایسی اصلاح کی ہو جو قائم ہو یعنی اس عمل کا خارجی وجود ہو جیسے اس نے کرایہ پر لینے کے بعد چونا لگوایا، یا کلر کروایا، یا الماریاں لگوادیں یا کوئی اور کام کیا جس سے دکان کی شان بلند ہوگئی تو اس کے موافق دوسرے کو زیادہ کرایہ پر دینا جائز ہے۔

جھاڑو لگوانا، صاف صفائی کراونا یہ اصلاح میں سے نہیں ہے، اس کی وجہ سے زیادہ کرایہ پر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس اصلاحی عمل کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے۔

۳۶۱-**ضابطہ**: اجیر کے لئے دوسرے سے کام لینا جائز ہے، مگر یہ کہ مالک نے خود اسی کو کام کرنے کی شرط لگائی ہو۔

تشریح: پس دھوبی، درزی وغیرہ کو دوسرے شخص سے کپڑا دھلوانا، یا سلوانا جائز ہے، مگر یہ کہ مستاجر (مالک) نے خود اسی کو کام کرنے کی شرط لگائی ہو تو پھر دوسرے سے کرانا جائز نہ ہوگا۔

البتہ دائی (دودھ پلانی والی عورت) مستثنیٰ ہے، کہ اس کے لئے باوجود شرط کے جائز ہے کہ بچہ کو دوسری عورت کا دودھ پلائے، کیونکہ انسان کو عوارض پیش آتے رہتے

---

(۱)ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا فى مسئلتين :إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً (الدرالمختار) بأن جصّصها أو فعل فيها مسناة وكذا كل عمل قائم،لأن الزيادة بمقابلة مازاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما فى المبسوط والكنس ليس بإصلاح.(شامى :۹/ ۴۸—وكذا فى الهنديه :۴/ ۴۲۵ —و خلاصة الفتاوىٰ:۳/ ۱۴۵)

ہیں، بسا اوقات عورت کو دودھ پلانا مشکل ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں اس شرط پر عمل بچہ کے لئے نقصان دہ ہوگا، لہٰذا اس شرط کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۱)

۳۶۲- **ضابطہ**: اجیر کے جس عمل سے عین مال میں اثر پیدا ہو جائے اس میں اجرت لینے کیلئے وہ مال کو روک سکتا ہے، اور جس عمل سے عین مال میں اثر پیدا نہ ہو اس میں روکنا درست نہیں۔

تفریع: پس درزی نے کپڑا سیا، یا رنگریز نے کپڑا رنگا، یا دھوبی نے کپڑا دھویا تو ان کو اختیار ہے کہ جب تک اپنی مزدوری وصول نہ کریں مالک کو کپڑا نہ دیں (بلا مزدوری دئے مالک کو ان سے زبردستی کپڑا لینا جائز نہیں) کیونکہ ان کے عمل سے اس کپڑے میں ایک نیا اثر پیدا ہوا ہے۔ اور اگر حمال (قلی) نے سامان اٹھایا، یا گاڑی والے نے اپنی گاڑی پر کسی کا سامان لادا تو ان کو اختیار نہیں ہے کہ اپنی اجرت لینے کے لئے سامان روک لیں، کیونکہ ان کے اٹھانے اور لادنے کی وجہ سے سامان میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی۔ (۲)

۳۶۳- **ضابطہ**: اجرت کا استحقاق عمل سے ہوتا ہے، نہ کہ محض قول سے۔ (۳)

---

(۱)وإذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له اعمل بنفسك أو بيدك لايستعمل غيره إلا الظئر فلها استعمال غيرها بشرط وغيره. وإن أطلق كان له أى للأجير أن يستأجر غيره(الدرالمختار على هامش رد المحتار :۹/۲۴-۲۵-البحر الرائق: ۷/۵۱٦)(۲)القصّار والصبّاغ وسائر المحترفين اللذين لعلمهم أثر فى العين، لهم أن يحبسوها بعد أن يفرغوا عن عملهم حتى يستوفى المستأجرون الأجور، أما المحترفون اللذين ليس لعملهم أثر فى العين فليس لهم أن يحبسوهاللأجور مثل الحمّالين والملاّحين. (شرح البدايه : ۳/ ۳۸۰ - الدرالمختارعلى هامش رد المحتار: ۹/۲۳،بدائع: ٤/٦٤)

(۳)استحقاق الأجرة بعمل لابمجرد قول(قواعد الفقه ص: ۵۷ قاعده: ۲۵)

تفریعات:

(۱) پس کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی اس نے زید سے کہا اگر تم اس کا پتہ مجھے بتادو تو تمہیں اتنی اجرت دوں گا تو اگر زید نے اس کیلئے چل پھر کر اس کا پتہ بتایا تو وہ (بوجہ عمل) اجرت مثل کا مستحق ہوگا (اجرت مثل اس لئے کہ یہ اجارہ فی نفسہ فاسد ہے کیونکہ جگہ معین نہ ہونے سے عمل کی مقدار معلوم نہیں اور اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل ہوتی ہے) اور اگر بغیر چلے یا کوئی عمل کئے بغیر صرف زبانی رہنمائی کہ وہ چیز فلاں جگہ ہے وہاں سے لے لو، تو اس سے اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ محض قول سے آدمی اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ (۱)

(۲) ایک شخص کو زمین خریدنی تھی وہ دلال کے پاس آیا، دلال نے کہا فلاں شخص کو زمین بیچنی ہے اس سے خرید لو، میری اس سے دشمنی ہے میں اس سے کچھ بات وغیرہ نہیں کروں گا، غرض دلال نے سودا نہیں کروایا اور نہ اس کیلئے چلا اور نہ کوئی عمل کیا بلکہ صرف زبانی رہنمائی کی اور مشتری نے جا کر زمین خرید لی تو یہ دلال اجرت (دلالی) کا مستحق نہ ہوگا۔

(۳) مفتی سے کسی نے زبانی فتویٰ پوچھا، اور اس نے جواب دیا تو اس پر کوئی اجرت لینا جائز نہیں، اور اگر فتویٰ تحریری ہو اور لکھ کر جواب دیا تو اس پر اجرت و معاوضہ لینا جائز ہے کیونکہ یہ عمل ہے اور پہلا قول ہے۔ (۲)

---

(۱) من دلني على كذا فله كذا فدله فله أجر مثله إن مشى لأجله.(الدر المختار) وفي الشامية:....وإن قال على سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه :إن دللتني على كذا فلك كذا:إن مشى له فدله فله أجر المثل للمشي لأجله لأن ذالك عمل يستحق بعقد الإجارة إلا أنه غير مقدر بقدر فيجب أجر المثل وإن دله بغير مشي فهو والأول سواء.(شامي :۹/ ۱۳۰ -۱۳۱)(۲)......كجواب المفتي بالقول وأما بالكتابة فيجوز لهما.(الدر المختار على هامش رد المحتار : ۸/ ۱۷۲، كتاب القضاء)

مستثنیات: البتہ جھاڑ پھونک کا حکم یہ ہے کہ اگر کچھ پڑھ کر جھاڑ دیا (پھونک ماردی) تو باوجودیکہ وہ قول ہے اس پر اجرلت لینا جائز ہے، اس لئے کہ جھاڑ پھونک تداوی وعلاج میں سے ہے، تو گویا یہ عمل کے قائم مقام ہے۔ (۱)

اسی طرح کسی عالم یا مفتی نے اگر اپنا کوئی خاص وقت لوگوں کیلئے فارغ کیا ہو اور اس وقت میں کسی نے آکر زبانی فتویٰ پوچھا، تو اس کی اجرت لینا جائز ہے، کہ یہ اجرت قول کی نہیں بلکہ جس وقت کی ہے جیسا کہ قاضی کے متعلق حکم ہے۔ (۲)

اسی طرح نکاح خوانی کہ وہ بھی قول کے قبیل سے ہے لیکن اس کی اجرت جائز ہے، وجہ یہ ہے کہ نکاح خواں دلہا اور دلہن کے مابین ایک عقد کرواتا ہے، دونوں کو ایک بندھن میں باندھتا ہے، تو اس کی یہ سعی عمل کے قائم مقام ہے پس اس پر وہ اجرت لے سکتا ہے، جیسا کہ دلال بائع اور مشتری کے درمیان عقد (سودا) کرواتا ہے اور اس پر وہ ایک یا دونوں سے طے شدہ اجرت لیتا ہے۔ (۳)

۳۶۴- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کے استعمال سے تبدیلی نہیں آتی عقد اجارہ میں اس کو استعمال نہ کرنے کی قید لگانا باطل ہے، اور جس کے استعمال سے تبدیلی آتی ہے، اس کی قید لگانا صحیح ہے۔ (۴)

---

(۱) جوّزو الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوى ،لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوى .(شامى :۷۸/۹)(۲)(احسن الفتاویٰ : ۷/ ۳۳۸ - ۳۳۹)(۳)ولا يحل له أخذ شیء على النكاح إن كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر وفى غيره يحل .(خلاصة الفتاوىٰ: ٤ی ٤٨ ، كتاب القضاء—وكذا فى فتاوىٰ محموديه ۹۸/۱۷—كفايت المفتى: ۵/ ۱۵۰)(۴)وكذا كل مالا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد لأنه غيرمفيد ، بخلاف مايختلف به .(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۹/ ۳۸ - ٤٧ -٤٨ ، قواعد الفقه، ص: ۱۰۲ ، قاعده: ۲۳۱)

تفریعات:

(۱) گھر کرایہ پر لیا اور مالک مکان نے یہ شرط لگائی کہ اس میں تین آدمی سے زیادہ نہیں رہیں گے، حالانکہ گھر ایسا ہے کہ اس میں زیادہ رہنے سے کچھ نقصان نہیں ہوسکتا تو یہ قید (شرط) باطل ہے، کرایہ دار کے لئے تین سے زیادہ افراد کا رکھنا بھی جائز ہے۔ (۱)

(۲) مالک دکان نے شرط لگائی کہ اس دکان میں لوہار وغیرہ کو جس کے پیشہ سے عمارت کو نقصان ہوتا ہے نہیں رکھ سکتے تو یہ قید صحیح ہے، کرایہ دار کے لئے اس کا لحاظ ضروری ہے، اگر اس کے خلاف کیا اور عمارت کو نقصان ہوا تو تاوان لازم ہوگا۔ (۲)

(۳) جانور یا گاڑی کو کرایہ پر لیا، مالک نے شرط لگائی کہ خود ہی استعمال کروگے دوسرے کو نہیں دے سکتے، تو یہ شرط صحیح ہے اس کی رعایت لازم ہوگی، کیونکہ اس میں تجربہ وعدم تجربہ کی وجہ سے ایک دوسرے کے استعمال میں فرق پڑتا ہے۔ (۳)

۳۶۵-**ضابطہ**: اجرت اور تاوان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے، مگر یہ کہ سبب مختلف ہو۔ (۴)

تفریعات:

(۱) کسی نے جانور سواری کے لئے کرایہ پر لیا، اور اس پر بوجھ لادنا شروع کردیا جس کی وجہ سے وہ جانور مر گیا تو فقط قیمت کا تاوان لازم ہوگا، کرایہ واجب نہ ہوگا۔

---

(۱) وفی شرح الزیلعی: للمستأجر أن یسکن غیره معه أو منفرداً ،لأن کثرة السکان لاتضر بها بل تزید فی عمارتها،لأن خراب المسکن بترك السکن اھ (شامی:۹/ ۴۸) (۲) غیر أنه لایسکن ..حداداً أو قصاراً أو طحانا من غیر رضا المالك أواشتراطه ذالك فی عقد الإجارة،لأنه یوهن البناء.(الدرالمختار علی هامش رد المحتار :۹/ ۳۷-۳۸) (۳).....بخلاف مایختلف کالرکوب واللبس.(شامی :۹/ ۳۸) (۴) الأجر والضمان لایجتمعان. (قواعد الفقه ص: ۵٤، قاعده:۸)

(۲) گھر یا دکان کو کرایہ پر لیا اور اس میں بلا اجازت ایسا کام کرنے لگا جو عمارت کو نقصان کرتا ہے، مثلاً لوہاری کا کام کرنے لگا جس سے عمارت گر گئی تو صرف قیمت کا تاوان واجب ہوگا، کرایہ لازم نہ ہوگا۔ (۱)

لیکن اگر اجرت اور ضمان کا سبب مختلف ہو تو پھر اپنے اپنے سبب سے دونوں جمع ہو جائیں گے، جیسے جانور خود سواری کیلئے کرایہ پر لیا اور دوسرے کو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا جس کی وجہ سے جانور مر گیا تو نصف قیمت کا تاوان اور اجرت دونوں لازم ہوں گے، کیونکہ دونوں کا سبب الگ الگ ہے، تاوان تو غیر کے سوار کرنے کی وجہ سے لازم ہوا، اور اجرت خود کے سوار ہونے سے۔ (۲)

۳۶۶-**ضابطہ**: اجیر سے کوئی چیز ضائع ہو تو اجیر مشترک پر تو اس کا ضمان (تاوان) آئے گا، اجیر خاص پر نہیں آئے گا۔

تشریح: اجیر مشترک: وہ ہے جس کے معاملہ کی بنیاد کام ہو، وقت نہ ہو جیسے درزی، رنگریز، دھوبی وغیرہ کہ وہ کام کے پابند ہیں وقت کے نہیں، چونکہ ان کا کوئی وقت کسی ایک کے لئے خاص نہیں ہوتا، بلکہ تمام مستاجرین کا مشترک ہوتا ہے اس لئے اس کو مشترک کہتے ہیں ـــــ اور اجیر خاص: وہ ہے جس کے معاملہ کی بنیاد وقت ہو، جیسے مدرس، کمپنی کا ملازم، وہ تعمیری مزدور جس کا وقت مقرر ہوتا ہے وغیرہ کہ یہ سب وقت کے پابند ہیں، اس معین وقت میں خواہ وہ کام زیادہ کریں یا کم، اجرت کے مستحق ہوتے ہیں بلکہ کسی وجہ سے کام کی نوبت نہ بھی آئے اور وقت پر حاضری دیدیں تب بھی وہ اجرت کے مستحق ہوتے ہیں، اور چونکہ اس اجیر کا وقت کسی معین شخص یا انجمن یا کمپنی کے

(۱) ولوفعل مالیس له لزمه الأجر، وإن انهدم به البناء ضمنه ولاأجر لأنهما لایجتمعان. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳۸/۹)

(۲) لایقال: کیف الأجر والضمان، لأنا نقول: إن الضمان لرکوب غیره والاجر لرکوب بنفسه. (شامی: ۵۰/۹)

لئے خاص ہوتا ہے- یہاں تک کہ وہ اس وقت میں اپنے مستاجر کی اجازت کے بغیر اپنا یا دوسرے کا کوئی کام نہیں کرسکتا- اس لئے اس کو اجیر خاص کہتے ہیں۔ (۱)

پس اجیر مشترک سے کوئی چیز ضائع ہوجائے تو اس پر اس کا تاوان مطلقاً لازم ہوگا، خواہ اس میں اس کی طرف سے تعدی (زیادتی) ہو یا نہ ہو ـــــ تعدی نہ ہو جیسے درزی نے بھول سے کرتہ کی بجائے پاجامہ بنالیا، یا کپڑا کاٹ رہا تھا کہ کسی نے دھکا دیدیا اور غلط کٹ گیا وغیرہ تو اس میں بھی تاوان لازم ہوگا۔

(البتہ اگر خود کے فعل سے وہ چیز ضائع نہیں ہوئی، بلکہ غیر کے فعل سے ہوئی- یعنی اس کے فعل کا اس میں بالکل دخل نہیں تھا- مثلا سامان چوری ہوگیا، یا لوٹ گیا، یا جل گیا تو دیکھا جائے کہ اس سامان کا بچانا اس کی قدرت میں تھا یا نہیں؟ اگر اس کی قدرت میں نہیں تھا تو ضمان نہیں آئے گا، اور اگر اس کی قدرت میں تھا پھر بھی نہیں بچایا مثلاً سامان جل رہا تھا اور باوجود قدرت کے آگ نہیں بجھائی، یا چوری ہونے سے بچا سکتا تھا مگر قصداً نہیں بچایا تو اس میں ضمان آئے گا) (۲)

اور اجیر خاص سے کوئی چیز ضائع ہوجائے تو اس پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، خواہ وہ چیز اس کے فعل سے ضائع ہوئی ہو یا دوسرے کے فعل سے ـــــ مگر یہ کہ اس کی

---

(۱)(مستفاد: هنديه : ٤ / ٥٠٠، شامي : ٨٩-٩٧)

(٢)اعلم أن الهلاك من فعل الأجير(أى الأجير المشترك)أو لا، والأول إما بالتعدى أولا. والثانى إما أن يمكن الاحتراز عنه أو لا، ففى الأول بقسميه يضمن اتفاقاً، وفى الثانى الثانى لايضمن اتفاقاً،وفى أوله لايضمن عند الإمام مطلقاً، ويضمن عندهما مطلقاً ....وفى التبيين :وبقولهما يفتى لتغيير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم اھ .لأنه إذا علم أنه لايضمن ربما يدعى أنه سرق أو ضاع من يده .(شامي :٩/٨٩-النتف فى الفتاوىٰ ، ص: ٣٤٠)

طرف سے تعدی ہوتو پھر بوجہ تعدی اس پر ضمان لازم ہوگا۔ (۱)

فاسد اور باطل اجارہ کا بیان

۳۶۷- **ضابطہ**: وہ تمام شرطیں جو بیع کو فاسد کردیتی ہیں اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں۔

تشریح: اجارہ چونکہ بیع کی ایک قسم ہے کیونکہ اس میں بھی منافع کی بیع ہوتی ہے اس لئے وہ تمام چیزیں جو بیع کو فاسد کردیتی ہیں اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں، جیسے ماجور (کرایہ پر لی ہوئی چیز) کا مجہول ہونا مثلاً کرایہ کا گھر یہ ہے یا وہ؟ اس کو واضح نہیں کیا؛ یا اجرت (کرایہ) کا مجہول ہونا یعنی کرایہ کتنا ہے؟ وہ معلوم نہیں؛ یا مدت کا مجہول ہونا یعنی کتنی مدت کے لئے اس کو کرایہ پر دیا ہے؟ وہ پتہ نہیں؛ یا عمل کا مجہول ہونا یعنی یہ مزدور کیا مزدوری کرے گا؟ اس کی وضاحت نہیں کی؛ یا جیسے گھر یا دکان کی مرمت واصلاح کی کرایہ دار پر شرط لگانا، یا اس کے مصارف کی اس پر شرط لگانا وغیرہ تمام صورتیں اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں۔ (۲)

۳۶۸- **ضابطہ**: اجارہ فاسدہ میں کام یا استعمال سے اجرت مثل واجب ہوگی اور اجارہ باطلہ میں کچھ اجرت لازم نہ ہوگی۔ (۳)

---

(۱)(والثانی) وهو الأجير(الخاص)......(ولايضمن ماهلك فی يده أو بعمله) كتخريق الثوب من دقه إلا إذا تعمل الفساد فيضمن كالمودع.(الدرالمختار على هامش رد المحتار :۹/۹۴-۹۷،مجمع الضمانات : ۱/۱۷۶)

(۲) تفسدالإجارة بالشروط المخالفة المقتضى العقد فكل مأأفسدالبيع مما مر يفسدها كجهالة مأجور أوأجرة أو مدة أو عمل ،كشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها. (الدر المختار على هامش رد المحتار :۹/۶۴)

(۳)وحكم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالإستعمال ..بخلاف الثانی وهو الباطل فإنه لاأجر فيه بالإستعمال.(الدرالمختار على هامش رد المحتار : ۹/۶۲)

تشریح: اجارہ فاسدہ یہ ہے کہ: عقد اپنی اصل کے اعتبار سے تو جائز ہو لیکن کسی عارض کے پیش آنے سے اس میں کوئی فساد آ گیا ہو، عارض جیسے مدت یا کرایہ وغیرہ کا مجہول ہونا، یا مقتضی عقد کے خلاف کوئی شرط لگانا وغیرہ جس کی کچھ تفصیل اس سے قبل ضابطہ کے تحت گذر چکی۔

اور اجارہ باطلہ یہ ہے کہ: وہ عقد اپنے اصل کے اعتبار سے ہی جائز نہ ہو، اس لئے کہ وہ چیز یا تو ناجائز ہوتی ہے، جیسے نغمہ وسرور اور رقص وغیرہ پر اجارہ کرنا؛ یا اس پر اجرت لینے کو شریعت نے منع کیا ہے، جیسے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا۔ (۱)

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ: اجارہ فاسدہ میں مزدور (کام کے بعد) یا مالک مکان (مکان استعمال کے بعد) اجرت مثل (یعنی اتنے کام کے لئے جو اجرت کا دستور ہو یا ایسے گھر کے لئے جو کرایہ کا دستور ہو) کا مستحق ہوگا، طے شدہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا (ہاں مگر طے شدہ اجرت اجرت مثل سے کم ہو تو پھر اس کا مستحق ہوگا)

اور اجارہ باطلہ میں مزدوری کے بعد یا استعمال کے بعد بھی کچھ اجرت ثابت نہ ہوگی، نہ مقررہ اجرت اور نہ اجرت مثل۔

۳۶۹- **ضابطہ**: (بجائے منفعت کے) استہلاک عین پر اجارہ باطل ہے۔ (۲)

جیسے باغ کرایہ پر لیا تا کہ اس کے درختوں کے پھل کھائے، یا بکری، گائے وغیرہ کو اجارہ پر لیا تا کہ اس کا دودھ پئے یا اس سے بچہ حاصل کرے، یا جیسے نہر، کنواں وغیرہ اجارہ پر لیا تا کہ اس کا پانی استعمال کرے تو یہ سب اجارے باطل ہیں، کیونکہ ان میں استہلاک عین پایا جاتا ہے، اس لئے کہ پھل، دودھ، بچہ، پانی وغیرہ اعیان کے قبیل سے ہیں اور کرایہ داران کو استعمال کر کے یا تو ہلاک کر دیتا ہے یا مالکانہ قبضہ کر لیتا ہے، تو یہ درحقیقت بیع کی صورت ہے اجارہ نہیں ہے، کیونکہ اجارہ میں اعیان کے منافع کی

(۱) (الدر والشامی: ۹/ ٦٢) (۲) الإجارة على استهلاك الأعيان باطلة. (الفتاویٰ الکاملة، ص: ۱۹۱)

ملکیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اعیان کی ـــــ پھر اس عقد باطل کو بیع تسلیم کر کے بھی صحیح نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں مبیع (دودھ، پانی وغیرہ) کی مقدار مجہول ہے، جس سے بیع باطل ہو جاتی ہے، اس لئے بہر حال ایسے عقد کو ختم کرنا لازم ہے۔ (۱)

۳۷۰- **ضابطہ**: ہر ایسا اجارہ جس میں بطور اجرت صرف مأجور کو کھانا کھلانا طے کیا گیا ہو وہ درست نہیں۔ (۲)

جیسے جانور کو اجارہ پر لیا اور اور اجرت یہ مقرر کی میں اس کو گھاس چارہ ڈالوں گا، یا جیسے امام کے لئے مسجد والوں نے یہ طے کیا کہ ہم صرف دو وقت کھانا کھلائیں گے اور وہی اس کی اجرت ہوگی اور کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تو ایسا اجارہ جائز نہیں۔

(لیکن اگر کھانے کے ساتھ کچھ قلیل یا کثیر اجرت و تنخواہ بھی مقرر کر لی جائے تو پھر جائز ہے) (۳)

۳۷۱- **ضابطہ**: جس اجارہ میں نتیجۂ عمل کو اجرت بنایا جائے وہ جائز نہیں۔

جیسے کسی شخص کو گندم دیئے اور کہا اس کو پیس دو، جو آٹا ہوگا اس کا ایک قفیز یا ایک کلو تمہاری اجرت ہوگی، یا دھاگا دیا اور کہا کپڑا بناؤ جو کپڑا بناؤ گے اس کا ایک گز تمہارا

---

(۱) سئلت فيمن استأجر بستاناً ليأكل ثمرة أشجاره من نخل وزيتون وليمون:هل يجوزذالك؟ فأجبت:بأنه لايجوز، وسند ذالك مافى شرح الطحاوى رحمه الله تعالىٰ: الإجارة على استهلاك الأعيان باطلة، كما لو استأجر كرماً مدةً معلومة ليأكل ثماره،أواستأجر غنماً ليأكل لبنها وسمنها، أو استأجرالمرعى لير عى البهائم،وماأشبه ذالك لم تصح الإجارة،فهذا صريح فى أن الإجارة باطلة.(الفتاوىٰ الكاملة،ص :۱۹۱) ولايجوز إجارة ماء فى نهر أو قناة أو بئر، وإن استأجر النهر والقناة مع الماء لم يجز أيضاً،لأن فيه استهلاك العين اصلاً. (الفتاوىٰ الهنديه :۴/۴۴۱(۲)كل إجارة فيها رزق أو علف فهوفاسد .(الفتاوىٰ الهنديه :۴/۴۴۲)(۳)(فتاوىٰ محموديه:۱۷/۵۳)

ہوگا، یا روئی دی اور کہا روئی دھنو، جتنی روئی دھنو گے اس کی دس فیصد تمہاری ہوگی، یا کھیتی کاٹنے کے لئے دی اور کہا جو کاٹو گے اس میں سے ایک من یا پانچ فیصد تمہاری ہوگی، یا جیسے بکری پالنے کے لئے دی اور کہا جو بچے پیدا ہوں گے اس کے نصف تمہارے رہیں گے، یا مدرسہ وغیرہ کے چندہ کی ذمہ داری دی اور کہا جس قدر چندہ کرو گے اس کا دس فیصد تمہارا ہوگا، یا جانور ذبح کے لئے دیا اور کہا اس کا چمڑا تمہارا ہوگا یا اس میں سے اتنا گوشت تمہاری اجرت ہوگا ...تو یہ سب صورتیں نتیجۂ عمل کو اجرت بنانے کی ہیں اور ناجائز ہیں۔ (۱)

البتہ اگر عقد کے وقت اسی میں سے دینے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ مطلق کہا، مثلاً کہا تم یہ گیہوں پیس دو اور تمہاری اجرت ایک قفیز آٹا ہوگی، یا یہ گیہوں کی فصل کاٹ دو اور تمہیں پانچ من گیہوں دوں گا، یعنی اسی آٹا میں سے یا گیہوں میں سے دوں گا یہ شرط نہیں لگائی تو یہ صورت جائز ہے، پھر چاہے تو اسی میں سے دیدے، حرج نہیں۔ غرض ناجائز ہونا اس وقت ہے جبکہ اجارہ کے وقت اسی میں سے دینے کی شرط لگائی ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) ولو غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أى بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن برّه ببعض دقيقه فسدت فى الكل لأنه استأجره بجزء من عمله (أى ببعض مايخرج من عمله. شامى)(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۹/ ۷۸-كذا فى الهنديه: ٤/ ٤٤٤ وهدايه: ۳/ ۳۰۵ وبدائع: ٤/ ٤٦)(۲)والحيلة فى ذالك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد ولم يقل من هذاه الحنطة أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب فى الذمة والأجر كما يجوز أن يكون مشاره إليه يجوز أن يكون دينا فى الذمة ثم إذا جاز ۲يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء ،كذا فى المحيط. (الفتاوىٰ الهنديه: ٤/ ٤٤)

فائدہ: یہ اصول قفیز طحان والی حدیث سے ماخوذ ہے، قفیز ایک پیمانہ تھا جس سے چیزوں کی مقدار متعین کی جاتی تھی اور طحان کے معنی ہے: آٹا پیسنے والا، پہلے رواج یہ تھا کہ لوگ آٹا پیسنے والے کو گیہوں یا آٹا دیتے اور کہتے کہ اس میں سے اتنے قفیز تمہاری اجرت ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے اس صورت کو منع فرمایا، پھر فقہاء نے اس ممانعت کے دائرے کو وسیع کیا اور ایک اصول بنایا کہ جس اجارہ میں نتیجہ عمل کو اجرت مقرر کیا جائے وہ ناجائز ہے، خواہ وہ کوئی سا بھی عمل و اجارہ ہو۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "یہ بہت بڑا اصول ہے، جس سے بہت سے اجارات کے فساد کو جانا جاسکتا ہے، خصوصاً ہمارے دیار میں" اھ۔[1]

نوٹ: اجارہ سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔
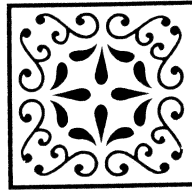
(۱) هذا أصل كبير يعرف به فساد كثير من الإجارات لاسيما في ديارنا. (هدایه: ۳/۳۰۵)

كتاب الكفالة

۳۷۲-**ضابطہ**: کفالت تبرعات کے قبیل سے ہے۔

تفریع: پس وہ تمام لوگ جن کو تبرع کا حق نہیں جیسے بچہ، غلام اور مجنون؛ ان کا کفیل بننا درست نہیں —— اسی طرح مرض وفات میں مبتلا شخص صرف اپنے تہائی مال میں کفالت قبول کرسکتا ہے، باقی دو تہائی میں قبول نہیں کرسکتا، کیونکہ دو تہائی میں ورثاء کا حق ثابت ہوگیا، اس میں وہ تبرع نہیں کرسکتا۔ (۱)

نیز اصیل (مدیون) کا عاقل، بالغ یا آزاد ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ میت کی طرف سے بھی کفیل بننا درست ہے، کیونکہ تبرع کے قبول کے لئے تمیز وغیرہ کی کچھ شرط نہیں۔

اسی طرح اس پر یہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر کسی کو زبردستی کفیل بنایا گیا تو درست نہیں، اس پر کوئی ذمہ داری نہ آئے گی، کیونکہ تبرعات میں جبر جائز نہیں۔

فائدہ: حوالہ بھی تبرعات میں سے ہے، اس میں بھی محتال علیہ (جس نے ذمہ لیا ہے) کے لئے یہ سب احکام جاری ہوں گے۔ (۲)

۳۷۳-**ضابطہ**: کفالت میں وہ تمام شرطیں جو اس کے مقتضا کے موافق ہوں

---

(۱) لأنها عقد تبرع فلاتنعقد ممن ليس من أهل التبرع. (بدائع: ٦٠٥/٤ - مجمع الأنهر: ١٧٢/٣) فلاتنفذ من صبي ولامجنون ...... ولامن مريض إلا من الثلث ولامن عبد. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ٥٥٧/٧ - بدائع: ٦٠٥/٤) (٢)..... وكذالك إذا كانت بأمره، لأنه تبرع بابتدائه فلايملك الصبي..... كالكفالة. (بدائع: ٩/٥، كتاب الحوالة)

درست ہیں اور جو خلاف ہوں وہ درست نہیں۔ (۱)

تشریح: مقتضاء کفالت کے موافق شرطیں: جیسے لزوم حق کی شرط لگائی جائے مثلاً بائع نے مشتری سے کہا اس سامان میں اگر کسی کا حق نکل آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، یا ایسی شرط لگائی جائے جس کا مقصد حق کی وصولی میں پیش آنے والی امکانی دشواری کو دور کرنا ہو مثلاً یہ مدیون اگر اس شہر سے غائب ہوگیا تو میں اس کے دین کا ذمہ دار ہوں، یا کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس سے حق کی ادائیگی میں سہولت بہم پہنچ سکتی ہو جیسے اگر فلاں آگیا تو میں اس کا کفیل ہوں اور اس فلاں کے ساتھ اس کے تجارتی تعلقات ہوں تو یہ سب شرطیں تقاضائے کفالت کے مناسب ہیں اور درست ہیں۔

اور مقتضا کے خلاف شرطیں: مثلاً بارش ہوئی تو میں اس کا کفیل ہوں، یا ہوا چلی تو کفیل ہوں، یا آج سورج گہن ہوا تو کفیل ہوں وغیرہ وہ سب شرطیں جو کفالت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں درست نہیں، ان سے کفالت منعقد نہ ہوگی۔ (۲)

۳۷۴- **ضابطه**: مکفول بہ (یعنی جس مال کی کفالت قبول کی جارہی ہے) کا قابل ضمانت ہونا ضروری ہے۔ (۳)

---

(۱)(مجمع الأنهر :۳/ ۱۸۱-۱۸۲)(۲)أو علقت بشرط صحيح ملائم أى موافق للكفالة بأحد أمورثلاثة:بكونه شرطاًللزوم الحق نحوقوله إن استحق المبيع أو جحدك المود ع ...فعلى الدية ...أو شرطاً لإمكان الاستيفاء نحو إن قدم زيد فعليّ ماعليه الدين ...وهو مكفول عنه ...أو شرطاً لتعذره أى الاستيفاء نحو إن كان غاب زيد عن المصر فعلى ، وأمثلته كثيرة، فهذه جملة الشروط اللتى يجوز تعليق الكفالة بها، ولاتصح إن علقت بغير ملائم نحو إن هبت الريح أو جاء المطرلأنه تعليق بالخطر فتبطل، ولايلزم المال ،ومافى الهداية سهو كما حرره ابن كمال(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ۵۸۷)(۳)(بدائع: ٤/ ٦٠٤-مجمع الأنهر: ۳/ ۱۹۱)

تفریعات:

(۱) پس امانت کے مال: جیسے ودیعت، شرکت، مضاربت، اور عاریت کا کفیل بننا درست نہیں، کیونکہ اس میں ضائع ہونے پر امین پر کوئی ضمان نہیں آتا۔ (۱)

(۲) کسی کی بیوی کے گذشتہ زمانہ کے نفقہ کا کفیل بننا درست نہیں، جب تک کہ قاضی نے فیصلہ سے شوہر پر کوئی نفقہ طے نہ کیا ہو، یا زوجین نے کسی نفقہ پر باہمی مصالحت نہ کی ہو، کیونکہ قاضی کے فیصلے، یا باہمی مصالحت سے پہلے بیوی کا نفقہ قابل ضمان نہیں، چنانچہ گزشتہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا (البتہ مستقبل کے نفقہ کا ضامن ہونا درست ہے، اگر چہ یہ بھی قابل ضمان نہیں، لیکن یہ صورت مستثنیٰ ہے) (۲)

(۳) کسی نے کہا تم اپنی مرغی کو یہاں بند کرلو، اگر اس کو بلی کھا گئی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، یا بکری کو یہاں چرایا کرو، اگر اسے بھیڑیا کھا گیا تو میں اس کا کفیل ہوں تو یہ کفالت وذمہ داری درست نہیں، اگر درندے نے کھالیا تو اس کفیل پر کچھ لازم نہ ہوگا، کیونکہ درندے کا فعل غیر مضمون ہے۔ (۳)

فائدہ: اور اگر کہا فلاں انسان نے اس سامان کو یا جانور کو ضائع کر دیا تو میں اس کا

---

(۱) وعين هي مضمونة، أما العين التي هي أمانة فلاتصح الكفالة بها سواء كانت أمانة غير واجبة التسليم كالودائع ومال الشركات والمضاربة. . الخ. (بدائع الصنائع: ٤/ ٦٠٧)

(۲) وتصح الكفالة أيضاً بالنفقة المستقبلة كمايذكره الشارح بعد أسطر مع أنها لم تصر ديناً اصلاً وأما ماقدمه أول الباب من أنها لاتصح بالنفقة قبل الحكم فمحمول على الماضية لأنها تسقط بالمضى إلاإذا كانت مقررة بالتراضى أو بقضاء القاضى .(شامى:٧/ ٥٨١)

(۳) بخلاف إن أكلك السبع لأن فعله غير مضمون.(شامى :٧/ ٥٨٦ – هنديه : ٤/ ٤١٣)

ذمہ دار ہوں تو یہ کفالت صحیح ہے، کیونکہ انسان کا فعل قابل ضمانت ہے۔ لیکن اگر کہا کسی انسان نے یا اس بستی والوں نے ضائع کر دیا یعنی مطلق کہا، کسی خاص انسان کی تعیین نہیں کی تو کفالت درست نہیں، کیونکہ مکفولہ عنہ میں جہالت ہے جبکہ مکفول عنہ کا معلوم ومعین ہونا بھی ضروری ہے۔(۱)

۳۷۵-**ضابطہ**: کفیل مدیون سے وہی رجوع کرے گا جو مدیون کے ذمہ واجب تھا، نہ کہ وہ جو اس نے ادا کیا ہے۔

جیسے کفیل نے صاحب حق کو عمدہ گیہوں کی بجائے گھٹیا گیہوں پر راضی کر لیا، یا گھی کی بجائے تیل پر راضی کر لیا تو اب وہ مدیون سے عمدہ گیہوں اور گھی وصول کرے گا جو اصل میں اس کے ذمہ واجب تھا، نہ کہ گھٹیا گیہوں اور تیل جو اس نے ادا کیا (حوالہ میں بھی یہی حکم ہے)(۲)

۳۷۶-**ضابطہ**: ہر ایسا حق جس کو کفیل سے وصول کرنا ممکن نہ ہو اس میں کفالت درست نہیں، اور جس کا وصول کرنا ممکن ہو (اور کوئی مانع نہ ہو) تو درست ہے۔

تشریح: پس حدود وقصاص میں کفالت درست نہیں، یعنی کہا اس کی بجائے مجھ پر حد یا قصاص جاری کیا جائے، میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں تو یہ درست نہیں، کیونکہ حد یا قصاص کفیل سے حاصل کرنا شرعاً ممکن نہیں، اس لئے کہ اس میں نیابت جاری

---

(۱)......وبخلاف : ماغصبك الناس أو من غصبك من الناس ...... فأنا كفيله فإنه باطل ،كقوله ماغصبك أهل هذه الدار فأنا ضامنه فإنه باطل حتى يسمى إنساناً بعينه (الدرالمختار)وفي الشامية:قال في الفتح:قيد بقوله فلاناً ليصير المكفول عنه معلوماً فإن جهالته تمنع صحة الكفالة.(شامي :۵۸۶/۷)

(۲)......أي إن لم يؤدي ماضمن لايرجع بماأدى بل بماضمن، كما إذا ضمن بالجيد فأدى الأردأ أو بالعكس...... الخ(شامي :۵۹۸/۷)

نہیں ہوسکتی، وہ تو مجرم ہی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

اور اگر کہا میں اس مدیون کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں یعنی فلاں وقت یا فلاں تاریخ پر اس کو حاضر کرلوں گا، تو درست ہے کیونکہ یہ کفالت بالنفس ہے اور کفیل سے اس کو وصول کرنا ممکن ہے (اب اگر اس نے حاضر نہیں کیا تو قاضی مناسب مہلت دے گا، پھر بھی حاضر نہیں کیا تو اس کفیل کو قید کرلے گا، مگر یہ کہ قاضی کو قرائن یا گواہوں سے معلوم ہوجائے کہ یہ فی الواقع حاضر کرنے میں عاجز تھا تو اس کفیل کو رہا کردے گا اور مزید مہلت دے گا) (۲)

۳۷۷- **ضابطہ**: اصیل کو بری کرنے سے کفیل بھی بری ہوجاتا ہے، مگر اس کا برعکس نہیں۔

تشریح: یعنی جب صاحب حق نے اصیل (مدیون) کو بری کردیا تو کفیل بھی بری ہوجائے گا، کیونکہ وہ اس کے تابع ہے۔ لیکن عکس جاری نہ ہوگا یعنی کفیل کو بری کرنے سے اصیل بری نہ ہوگا، بلکہ صرف کفالت ساقط ہوگی، اصیل پر ذمہ باقی رہے گا۔ (۳)

نوٹ: کفالت بالمال سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

---

(۱) وکل حق لایمکن استیفائه من الکفیل لایصح الکفالة کالحدود و القصاص ...... الخ (هدایه :۳/۱۱۹-اللباب فی شرح الکتاب :۲/۸۰- بدائع الصنائع: ۴/۶۰۹) (۲) وإن شرط تسلیمه فی وقت بعینه أحضره فیه إن طلبه کدین مؤجل حلّ، فإن حضره فبها، وإلا حبسه حین یظهر مطله، ولو ظهر عجزه ابتداء لایحبسه، فإن غاب أمهله مدة ذهابه وإیابه ولولدار الحرب. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۷/۵۶۵- ۵۶۶)

(۳) ولو أبرأ الطالب الأصیل ......بریء الکفیل ...... ولاینعکس لعدم تبعیة الأصل للفرع......وإذا شرط برأة الکفیل وحده کانت فسخا للکفالة لاإسقاطاً لأصل الدین (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۷/ ۶۰۲ - ۶۰۵) ۔

کتاب الحوالة

تمہید: جاننا چاہئے کہ کفالہ اور حوالہ بہت سی چیزوں میں (مثلاً شرائط میں، تبرعات میں سے ہونے، مدیون سے رجوع کرنے، وغیرہ میں) دونوں یکساں حکم رکھتے ہیں، پس جو ضوابط و مسائل کفالہ کے بیان میں گذرے اس میں حوالہ کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے، اور حوالہ کو سمجھنے کے لئے ان کو ضرور دیکھنا چاہئے ـــــ البتہ شرائط میں اتنا فرق ہے کہ حوالہ میں اصیل (مدیون) اور محتال علیہ (جس نے ذمہ لیا ہے) دونوں کا عاقل، بالغ ہونا شرط ہے، جبکہ کفالہ میں صرف کفیل کے لئے یہ شرط ہے، اس میں اصیل کا عاقل، بالغ ہونا ضروری نہیں۔ (۱)

۳۷۸-**ضابطہ**: کفالت میں اصیل کی براءت کی شرط لگانا حوالہ ہے اور حوالہ میں عدم براءت کی شرط لگانا کفالہ ہے۔ (۲)

تشریح: پہلے کفالہ و حوالہ کا بنیادی حکم جان لیجئے، وہ یہ کہ: کفالت میں صاحب حق کو اختیار رہتا ہے کہ اصیل (مدیون) یا کفیل دونوں میں سے کسی سے بھی اپنے حق کا مطالبہ کرے، جبکہ حوالہ میں صاحب حق اپنا حق صرف محتال علیہ (جس نے ذمہ لیا ہے) سے ہی وصول کرسکتا ہے، مدیون سے وصول نہیں کرسکتا، پھر حوالہ اور کفالہ دونوں

(۱) وأما حرية الأصيل وعقله وبلوغه فليست بشرط لجواز الكفالة. (بدائع الصنائع: ٤/ ٦٠٦)

(۲) إذا شرط برأة الأصيل فتكون حوالة كما أن الحوالة بشرط عدم برأة المحيل كفالة. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۱۸٤)

میں قدر مشترک یہ بات ہے کہ: کفیل یا محتال علیہ نے مدیون کی خواہش سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی تو ادائیگی کے بعد ان کو مدیون سے رجوع کا حق ہوگا، اور اگر خود سے ذمہ لیا تھا تو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ (۱)

اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ: جب کفالت کے وقت اصیل (مدیون) کو بری کرنے شرط لگادی گئی ہوتو وہ کفالہ نہیں رہا بلکہ حوالہ ہوگیا، پس اس میں حوالہ کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ صاحب حق کو صرف کفیل سے مطالبہ کا حق ہوگا، اصیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔

اسی طرح حوالہ میں جب اصیل (محیل) کو بری نہ کرنے کی شرط لگائی تو وہ کفالہ بن گیا، پس اس میں کفالت کے احکام جاری ہوں گے، صاحب حق کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا حق کفیل سے وصول کرے یا اصیل سے۔

۳۷۹- **ضابطہ**: ہر ایسا دین جس کا کفالہ جائز ہے حوالہ جائز ہے۔ (۲)

نوٹ: کفالہ کے بیان میں ضابطہ نمبر ۳۴۷ میں گذر چکا کہ کفالہ میں دین کا قابل ضمان ہونا ضروری ہے، جو دین قابل ضمان نہیں ہوتا اس میں کفالہ جائز نہیں، پس حوالہ میں بھی یہ حکم ہوگا، تشریح وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

استدراک: لیکن اس ضابطہ میں عکس جاری نہ ہوگا، یعنی یہ نہ ہوگا کہ: جس میں

---

(۱) وللطالب مطالبة أی شاء من كفيله وأصيله......فإن كفل بلاأمره لايرجع عليه بما أدى عنه وإن أجازها المكفول عنه وإن كفل بأمره رجع .(ملتقى الأبحر على المجمع :۳/۱۸۳-۱۸۴) منها: أن تكون الحوالة بأمر المحيل فإن كانت بغير أمره لايرجع ...وإن كانت بغير أمره لايوجد معنى التمليك فلاتثبت ولاية الرجوع .(بدائع: ۵/۱۳)

(۲) فكل دين تجوز به الكفالة فالحوالة به جائزة.(الجوهرة النيرة: ۱/۴۰۷)

حوالہ جائز نہیں اس میں کفالہ جائز نہیں، کیونکہ بعض دین جیسے مال کتابت کہ اس میں حوالہ جائز ہے، کفالہ جائز نہیں۔ (۱)

۳۸۰-**ضابطہ**: محتال علیہ کو بری کرنے سے مدیون بھی بری ہو جاتا ہے، جبکہ کفیل کو بری کرنے سے مدیون بری نہیں ہوتا۔ (۲)

تشریح: جس نے ذمہ لیا ہے حوالہ میں اس کو محتال علیہ کہتے ہیں اور کفالہ میں کفیل کہتے ہیں۔

اگر صاحب حق نے محتال علیہ کو بری کر دیا تو مدیون بھی بری ہو جائے گا، کیونکہ حوالہ میں ذمہ بلا شرکت مدیون کے محتال علیہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے (اسی وجہ سے صاحب حق کو مدیون سے مطالبہ کا حق نہیں رہتا ہے) برخلاف کفالہ کے کہ اس میں کفیل اور مدیون دونوں ذمہ میں شریک رہتے ہیں، پس اس میں کفیل کو بری کرنے سے مدیون بری نہ ہوگا۔

---
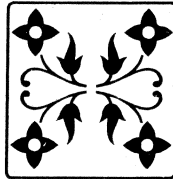
(۱)وقد تجوزالحوالة بدين لاتجوزبه الكفالة كمال الكتابة فإن الحوالة تجوز به ولاتجوز به الكفالة. (الجوهرةالنيرة: ۱/ ٤٠٧)

(۲)وإذا شرط برأة الكفيل وحده كانت فسخا للكفالة لاإسقاطاً لأصل الدين. (الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۷/ ٦٠٢ - ٦٠٥)ولكن أبرأ المحتال له المحتال عليه برىء المحتال عليه والمحيل عن دين المحتال. (تاتارخانية: ١٠/ ٢٩١، رقم المسئلة: ١٤٧٥٣)

کتاب الوکالۃ

۳۸۱-**ضابطہ**: وکالت کی صحت کے لئے وکیل کا قبول کرنا شرط نہیں (محض خاموشی بھی کافی ہے)[۱]

تفریع: ایک شخص نے کسی کو اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل بنایا، وہ خاموش رہا (یعنی صرحتاً قبول نہیں کیا) پھر اس نے اس کی بیوی کو طلاق دی تو استحساناً طلاق واقع ہو جائے گی، اور اس کا یہ طلاق پر اقدام کرنا دلالۃً وکالت کو قبول کرنا سمجھا جائے گا (لیکن اگر اس نے صراحتاً قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر طلاق دی تو اب طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہے)

اسی طرح بیع وغیرہ کا وکیل بنایا تو اس میں بھی یہی حکم ہوگا۔[۲]

۳۸۲-**ضابطہ**: مؤکل جس چیز کا وکیل بنا رہا ہے لازم ہے کہ وہ خود بھی اس کا اختیار رکھتا ہو۔[۳]

تفریعات:

(۱) یتیم کا وصی یتیم کے معاملہ میں ان تمام امور میں کسی کو وکیل بنا سکتا ہے جن

---

(۱) وقبول الوكيل ليس بشرط لصحة الوكالة استحساناً ولكن إذا رد الوكيل الوكالة ترتد. (هنديه: ۳/ ۵٦٠)

(۲)(هنديه: ۳/ ۵٦٠-۵٦۱)

(۳)...بكل ماعقده بنفسه، أي يجوزالتوكيل بكل شيء جاز أن يعقده ..الخ (تبيين الحقائق: ۱۲/ ۴۲۲، بدائع: ٦/ ۲۰، الاختيار لتعليل المختار: ۱/ ۲۴)

میں وہ خود اختیار رکھتا ہے، اور جن میں وہ خود اختیار نہیں رکھتا (جیسے ناجائز امور میں اس کا مال خرچ کرنا، یا ایسی چیز خریدنا جس میں یتیم کا ذرا بھی نفع نہ ہو) وکیل بنانا درست نہیں۔ (۱)

(۲) اور پاگل و ناسمجھ بچہ کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ یہ دونوں خود کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے تو دوسرے کو کیسے اختیارات دے سکتے ہیں؟ (۲)

اور سمجھدار بچے کے لئے ضابطہ ہے کہ:

۳۸۳- **ضابطہ**: نابالغ سمجھ دار بچہ ان تمام تصرفات کا جو محض ضرر کا باعث ہیں (جیسے طلاق، عتاق، ہبہ، صدقہ وغیرہ) کا مالک نہیں، پس وہ ان میں وکیل نہیں بنا سکتا، اور وہ تصرفات جو محض نفع کے حامل ہیں (جیسے ہدیہ قبول کرنا وغیرہ) کا وہ مالک ہے، پس ان میں وہ وکیل بنا سکتا ہے، اور جو تصرفات نفع ونقصان کے درمیان دائر ہیں (جیسے بیع، اجارہ وغیرہ) ان میں اگر ولی نے پہلے سے اجازت دے رکھی ہے تو وکیل بنا سکتا ہے، ورنہ اس کی توکیل ولی کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر ولی اسے جائز قرار دیدے تو نافذ ہے ورنہ نہیں۔ (۳)

۳۸۴- **ضابطہ**: وکیل کا یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کو وکیل بنایا گیا ہے، اس

---

(۱) ویجوز لوصی الیتیم أن یوکل بکل مایجوز أن یفعله بنفسه من أمر الیتیم . (هندیه : ۳/ ۵۶۲)(۲)(هندیه : ۳/ ۵۶۲)

(۳)وکذا من الصبی العاقل بمالایملکه بنفسه کالطلاق والعتاق والهبة والصدقة ونحوها من التصرفات الضارة المحضة ویصح بالتصرفات النافعة کقبول الهبة والصدقة من غیر إذن الولی وأما التصرفات الدائرة بین الضرر والنفع کالبیع والاجارة فإن کان مأذونا فی التجارة یصح منه التوکیل وإن کان محجوراً ینعقد موقوفاً علی اجازة ولیه .(هندیه : ۳/ ۵۶۰- ۵۶۱، الدر المختار علی هامش رد المحتار :۸/ ۲۴۲)

سے قبل اس کا کوئی تصرف نافذ نہ ہوگا۔[۱]

تفریع: پس اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا کسی کو وکیل بنایا، اور وکیل کو اس کا علم نہیں تھا اور ویسے ہی اس نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔[۲]

۳۸۵- **ضابطہ**: مجہول شخص کو وکیل بنانا درست نہیں۔[۳]

جیسے:

(۱) کسی نے کہا: ''میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو فلاں کام کا وکیل بناتا ہوں'' تو یہ درست نہیں کیونکہ اس میں تعیین نہ ہونے کی وجہ سے وکیل مجہول ہے۔

(۲) اپنے مقروض سے کہا جو شخص تمہارے پاس فلاں علامت لے کر آئے، یا جو تمہاری انگلی پکڑلے، یا جو تم سے فلاں بات کہے، اس کو میرے وہ روپے دے دینا جو تمہارے ذمہ ہیں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں بھی وکیل مجہول ہے، پس مقروض ایسے شخص کو دینے سے قضاء بری نہ ہوگا۔[۴]

۳۸۶- **ضابطہ**: وکیل کا اپنے قصد واختیار سے تصرف کرنا ضروری ہے (ورنہ اس کا تصرف معتبر نہ ہوگا)

تفریع: پس اگر وکیل سے جبر وکراہ کے ذریعہ بیع وغیرہ میں ایجاب وقبول کروایا گیا، یا خود اس نے از راہ مزاح ایجاب وقبول کیا تو اس کا یہ تصرف مؤکل کے حق میں

---

(۱) إذا وكل انساناً لايصير وكيلا قبل العلم وهو المختار. (هنديه : ۳/ ۵۶۳)

(۲) (هنديه : ۳/ ۵۶۳، التاتارخانية: ۲/۲۴۷)

(۳) لايصح توكيل مجهول. (قواعد الفقه، ص: ۱۱۱، قاعده: ۲۷۴)

(۴) كقول الدائن لمديونه من جاء ك بعلامة كذا أو من أخذ إصبعك أو قال لك كذا فادفعه مالى عليك إليه لم يصح لأنه توكيل مجهول فلايبرء بالدفع إليه (الأشباه ص: ۳۷۰، بحواله قواعدالفقه ص: ۱۱۱ حاشيه

معتبر نہ ہوگا۔ [1]

۳۸۷- **ضابطہ**: حقوق اللہ میں وہ چیزیں جن میں دعویٰ شرط ہے (جیسے حد قذف، حد سرقہ) ان کو ثابت کرنے کیلئے صاحب حق کا کسی کو وکیل بنانا جائز ہے (کہ وہ مؤکل کی طرف سے عدالت میں دعویٰ دائر کرے خواہ مؤکل موجود ہو یا نہ ہو) اور وہ چیزیں جن میں دعویٰ شرط نہیں (جیسے حد زنا، حد خمر) ان میں توکیل درست نہیں ——— اور حقوق العباد کے اثبات کے لئے مطلقاً توکیل جائز ہے خواہ وہ چیزیں ہوں جو شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں (جیسے قصاص وغیرہ) یا وہ چیزیں ہوں جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتیں (یعنی مالی حقوق جیسے دین وغیرہ)

فائدہ: ضابطہ میں حقوق وحدود کے اثبات کی یعنی مقدمہ دائر کرنے (کیس داخل کرنے) کی بات ہے، جہاں تک حدود (خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے) کو جاری کرنے ونفاذ کی بات ہے تو اس میں وکالت کے لئے مؤکل (صاحب حق) کا بوقت نفاذ اس جگہ موجود ہونا ضروری ہے ورنہ توکیل جائز نہ ہوگی، پس حد سرقہ، حد قذف اور قصاص کے نفاذ کے وقت مؤکل (یعنی مالک مال، مقذوف اور مقتول کا ولی علی الترتیب) کا موجود ہونا ضروری ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اجراءِ سزا کے وقت یہ حضرات موجود ہوں تو اپنے دعویٰ سے رجوع کرلیں (کیس واپس کھینچ لیں) اس احتمال نے ایک گونہ شبہ پیدا کردیا اور شبہ سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے (پس ان کی عدم موجودگی سے جو شبہ پیدا ہوا وہ نفاذ حد کے لئے مانع ہوگا)

اور حدود کے ماسوا خصومت میں نفاذ کے وقت مؤکل کی موجودگی میں اختلاف ہے، صاحبین اور دیگر فقہاء کے نزدیک مؤکل کی موجوگی مطلقاً ضروری نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عام حالت میں اس کا موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر دوسرا فریق

(۱) والمراد بقصده أن يقصد ثبوت الحكم أو الربح للاحتراز عن بيع المكره والهازل فإنه لايقع عن الآمر. (البحر الرائق: ۲۴۱/۷)

مؤکل کی عدم حاضری پر راضی ہوجائے یا مؤکل بیماری یا طویل مسافت کے سفر کی وجہ سے حاضری سے معذور ہو یا پردہ نشین عورت ہو (خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ) تو پھر ان صورتوں میں مؤکل کا موجود ہونا مقدمہ کے نفاذ کے لئے ضروری نہیں، تا کہ اس کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ (۱)

(۱) هذا التفصيل كله مأخوذ من هذه العبارات: اعلم أن الحقوق نوعان: حق الله وحق العبد، وحق الله نوعان: نوع منه تكون الدعوىٰ فيه شرطا كحدالقذف وحد السرقة فهذا النوع يجوز التوكيل فيه عند أبى حنفية ومحمد رحمهماالله تعالىٰ فى الإثبات سواء كان المؤكل حاضراً أو غائباً ويجوز فى الاستيفاء إذا كان المؤكل حاضراً ولايجوز إذا كان غائباً ونوع منه لم تكن الدعوى فيه شرطا كحد الزنا وحد الشرب فهذا النوع لايجوز التوكيل فى إثباته ولافى استيفائه ثم الخلاف إنما هو فى حق إثبات الحد أما التوكيل بإثبات المال فى السرقة فمقبول بالاجماع. وأما حقوق العباد فعلى نوعين: نوع لايجوز استيفاؤه مع الشبهة كالقصاص فيجوز التوكيل بإثباته عند أبى حنفية ومحمد رحمهماالله تعالىٰ وأما التوكيل باستيفاء القصاص فإن كان المؤكل وهو الولى حاضراً جا ز وإن كان غائباً لايجوز ونوع يجوز استيفاؤه مع الشبهة كالديون والأعيان وسائر الحقوق فيجوز التوكيل بالخصومة فى إثبات الدين والعين. هكذا فى البدائع. (هنديه : ۳/۵۶۳-۵۶۴) إلافى الحدود والقصاص فإن الوكالة لاتصح باستيفائهما مع غيبة المؤكل عن المجلس لأنهما تندرئ بالشبهات وشبهة العفو ثابتة حال غيبة المؤكل ..الخ (هدايه :۳/۱۷۷ هكذافى الاختيار لتعليل المختار: ۱/ ۲٤)فدل على الجوازبرضا الخصم واختلف فى جوازه بغير رضا الخصم قال أبوحنيفة عليه الرحمة :لايجوز من غير عذر المرض والسفر وقال أبو يوسف ومحمد :يجوز فى الأحوال كلهاوهو قول الشافعى رحمه الله ......وكذالك إذا كانت المرأة مخدرة مستورة لأنها تستحى عن ←

۳۸۸-**ضابطہ**: مباحات میں توکیل معتبر نہیں۔ (۱)

تشریح: مباحات یعنی جس کی عام اجازت ہوتی ہے جیسے نہر یا تالاب سے پانی لینا، سرکاری زمین سے گھاس کاٹنا، جنگل میں شکار کرنا، یا لکڑیاں لانا، یا سمندر سے جواہرات نکالنا وغیرہ... پس ان میں توکیل معتبر نہیں، اگر ایسی چیزوں میں کسی کو وکیل بنایا ہے، اور اس نے مثلاً شکار کیا یا سمندر سے جواہرات نکالے تو اس کا یہ عمل خود اس کے لئے سمجھا جائے گا، موکل اس کا حق دار نہ ہوگا۔

۳۸۹-**ضابطہ**: شہادات (گواہی) میں کسی کو وکیل بنانا درست نہیں۔ (۲)

تشریح: کیونکہ شہادت کسی واقعہ کو آنکھوں دیکھی گواہی کا نام ہے، اور اس کو مؤکل نے دیکھا ہے نہ کہ وکیل نے، پس اس میں وکالت درست نہیں۔

۳۹۰-**ضابطہ**: ہر ایسا عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے، مؤکل کی طرف منسوب کرنے کی اس میں حاجت نہیں ہوتی (جیسے بیع، اجارہ، صلح عن اقرار وغیرہ) اس میں تمام حقوق وکیل ہی سے متعلق ہوں گے —— اور جس عقد کو وہ موکل کی طرف منسوب کرتا ہے، اس کے بغیر وہ عقد انجام نہیں دے سکتا (جیسے نکاح، خلع، ہبہ، صدقہ، اعارہ، رھن، قرض، شرکت، مضاربت وغیرہ) اس میں وکیل کی حیثیت محض ترجمان اور سفیر کی ہوگی، اور عقد سے متعلق تمام حقوق

← الحضور لمحافل الرجال وعن الجواب بعد الخصومة بكراً كانت أو ثيباً فيضيع حقها. (بدائع الصنائع: ٥/ ١٩، هكذا في الدر المختار على هامش رد المحتار: ٨/ ٢٤٣ - ٢٤٤)

---

(١) ولا تصح الوكالة في المباحات. (هنديه: ٣/ ٥٦٤)

(٢) ولا تصح الوكالة في المباحات كالاحتطاب والاحتشا والاستقاء واستخراج الجواهرمن المعادن، فما أصاب الوكيل شيأ من ذالك فهوله. (هنديه: ٣/ ٥٦٤)

مؤکل ہی سے متعلق ہوں گے۔ (۱)

تشریح: پہلی صورت میں حقوق کا وکیل سے متعلق ہونا جیسے اگر وہ بائع ہے تو مبیع کا سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا اور مشتری ہے تو ثمن کا ادا کرنا مبیع پر قبضہ کرنا، اور مبیع میں کوئی عیب ہے تو اس سلسلہ میں حجت کرنا وغیرہ سب وکیل کی ذمہ داری ہوگی، یہاں موکل اجنبی کے مانند ہوگا، یہاں تک کہ وکیل سے خریدنے والے شخص سے موکل ثمن کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔

اور دوسری صورت میں موکل سے حقوق متعلق ہونا جیسے نکاح میں شوہر کا کوئی وکیل ہے تو مہر کا مطالبہ موکل (شوہر) سے ہوگا، وکیل سے نہیں ہوگا، اور اگر عورت کا وکیل ہے تو اس کے ذمہ عورت کی سپردگی وغیرہ لازم نہ ہوگا، اس کا تعلق موکلہ سے ہوگا۔

۳۹۱-**ضابطہ**: خصومت کے وکیل کو سوائے حدود اور قصاص کے تمام مقدمات میں موکل کے خلاف اقرار کا اختیار ہے، مگر یہ کہ موکل نے بوقت وکالت اس کا استثناء کردیا ہو۔ (۲)

تشریح: اقرار کا مطلب ہے کہ مثلاً کسی نے وکیل بنایا کہ فلاں شخص پر فلاں چیز کا

(۱) وكل عقد يضيفه الوكيل إلى نفسه كالبيع والإجارة والصلح عن اقرار تتعلق حقوقه به من تسليم المبيع ونقد الثمن والخصومة في العيب وغيرذالك ......وكل عقد يضيفه إلى موكله فحقوقه تتعلق بموكله :كالنكاح والحلع والصلح عن دم العمد والعتق على مال والكتابة والصلح عن انكار والهبة والصدقة والإعارة والإداع والرهن والإقراض والشركة والمضاربة.(الاختيار لتعليل المختار: ۲۴/۱ - الدرالمختار على هامش رد المحتار ۲۴۶/۸ - هدايه ۱۸۰/۳ -بدائع : ۳۶/۵-۳۷)

(۲) وصح اقرارالوكيل بالخصومة لابغيرها مطلقاً بغير الحدود والقصاص على موكله.(الدرالمختار على هامش رد المحتار ۲۷۰/۸-۲۷۱)

دعویٰ کرنا ہے، وکیل نے قاضی کی مجلس میں اپنے موکل (مدعی) کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے کا اقرار کرلیا تو یہ اقرار صحیح ہے اور موکل اپنے دعویٰ میں جھوٹا ثابت ہوگا۔ یا اگر مدعی علیہ کی طرف سے وکیل ہو تو مدعی جس چیز کا دعویٰ کررہا ہے اس کو قبول کرلیا تو یہ اقرار صحیح ہے اور مدعی علیہ کے ذمہ مدعی کو وہ چیز دینی لازم ہو جائے گی۔

لیکن اگر موکل نے بوقت وکالت اقرار کا استثناء کردیا یعنی تم میرے خلاف کسی چیز کا اقرار نہیں کرسکتے تو یہ استثناء استحساناً صحیح ہے، اب وکیل کو اقرار کا اختیار نہ ہوگا، باوجود اس کے اگر وہ اقرار کرے تو موکل پر اس اقرار کا کچھ اثر نہ ہوگا، بلکہ خود وہ وکیل وکالت سے معزول ہو جائے گا اور اس کا کوئی دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ (۱)

۳۹۲-**ضابطہ**: وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانا جائز نہیں، مگر یہ کہ موکل نے صراحتاً اجازت دی ہو یا یوں کہا ہو کہ اپنی رائے و مرضی پر عمل کرنا۔ (۲)

فائدہ: تاہم اگر وکیل نے بلا اجازت دوسرا وکیل بنالیا، تو اگر دوسرے نے پہلے کی موجودگی میں عقد کیا تو اس کا یہ تصرف جائز ہوگا، اور اس کی عدم موجودگی میں کیا تو جائز نہ ہوگا۔ (۳)

اور موکل کی طرف سے اجازت کی صورت میں دوسرا وکیل موکل ہی کی طرف سے

---

(۱)وكذا إذا استثنى الموكل إقراره بأن قال وكلتك بالخصومة غير جائز الإقرار صح التوكيل والاستثناء على الظاهر. بزازية .فلو أقر عنده أی القاضی لایصح وخرج به عن الوكالة فلاتسمع خصومته.(الدرالمختار على هامش رد المحتار۸/ ۲۷۱)

(۲)وليس للوكيل أن يوكل فيما وكل به ......إلا أن يؤذن له الموكل أو يقول اعمل برأيك. (قدوری على الهدايه :۳/ ۱۹۲)

(۳)فإن وكل بغير إذن موكله فعقد وكيله بحضرته جاز......وإن عقد فی حال غيبته لم يجز (قدوری على الهدايه :۳/ ۱۹۲)

وکیل شمار ہوگا، یہاں تک کہ وکیل اول اس کو معزول نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی موت سے وہ معزول ہوگا، اور موکل کی موت سے دونوں معزول ہوجائیں گے۔ (۱)

۳۹۳- **ضابطہ**: موکل کی لگائی ہوئی قید اگر مفید ہو تو وکیل کے ذمہ اس کا اعتبار مطلقاً ضروری ہے اور مضر ہو تو ضروری نہیں۔ اور اگر من وجہ مفید ہو اور من وجہ مضر ہو تو اگر نفی کے ساتھ مؤکد کیا ہے تو اس کا اعتبار ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں۔ (۲)

تشریح: مفید قید کی مثال: جیسے وکیل سے کہا: ''تو اپنے لئے تین دن کے خیار کے ساتھ بیچنا'' تو اس کا اعتبار ضروری ہے، اگر اس کے خلاف کیا تو اس کا تصرف معتبر نہ ہوگا۔

مضر قید کی مثال: جیسے کہا ''تو اس مال کو ادھار بیچنا'' تو اس قید کی رعایت ضروری نہیں، اگر اس مال کو نقد بیچ دیا تب بھی صحیح ہے۔

اور من وجہ مفید اور من وجہ مضر قید کی مثال: جیسے کسی خاص بازار میں بیچنے یا نہ بیچنے کی قید لگائی تو:

اگر نفی کے ساتھ مؤکد کیا یعنی کہا: ''فلاں بازار میں مت بیچنا'' تو اس کی رعایت ضروری ہے، اگر اسی بازار میں بیچا تو اس کا تصرف معتبر نہ ہوگا۔

اور اگر بغیر نفی کے کہا یعنی کہا: ''فلاں بازار میں بیچنا'' تو اس کی رعایت ضروری نہیں، اس سے اچھے بازار میں بھی بیچ سکتا ہے۔ (۳)

---

(۱)وإذا جاز فی هذاالوجه یکون الثانی وکیلا عن الموکل حتی لایملك الأول عزله ولاینعزل بموته وینعزلان بموت الأول (هدایه: ۱۹۲/۳)

(۲)الموکل اذا قید علی وکیله فإن کان مفیدا اعتبر مطلقا وإلالا. وإن کان نافعاًمن وجه وضاراً من وجه فإن أکده بالنفی اعتبر، وإلالا. (الأشباه والنظائر: ۲۱۱ ،بیروت) قواعد الفقه: ۱۳۱ ، قاعده: ۳٦٤ ، هندیه : ۵۸۹)

(۳)وعلی القاعدة فروع منها :بعه بخیارفباعه بغیر ہ لم ینفذ لأنه مفید ، ←

۳۹۴- **ضابطہ**:وکالت مجلس پر منحصر نہیں ہوتی (برخلاف تملیک کے کہ وہ مجلس پر منحصر ہوتی ہے)[۱]

تفریع: پس جب کسی سے کہا کہ:"میری بیوی کو طلاق دیدو" تو یہ توکیل مجلس پر منحصر نہ رہے گی، اس مجلس کے علاوہ بھی وکیل جب چاہے طلاق دے سکتا ہے، جب تک اس کو معزول نہ کیا جائے۔

اور اگر طلاق کا مالک بنایا مثلا بیوی سے کہا:"میں نے تم کو طلاق کا اختیار دیا" تو یہ تملیک (وتفویض) ہے جو مجلس پر منحصر ہوگی، پس اگر عورت نے اسی مجلس میں اپنے اوپر طلاق واقع کرلی تو طلاق واقع ہوجائے گی، ورنہ واقع نہ ہوگی (اور تملیک میں رجوع کا حق نہیں رہتا)[۲]

۳۹۵- **ضابطہ**:خرید فروخت کی وکالت میں اصل یہ ہے اگر وکالت عامہ کے ساتھ وکیل بنایا مثلا کہا تم "میرے لئے جو مناسب سمجھو خریدلو" یا کہا "میرے لئے جو کپڑا خریدنا چاہو خریدلو" تو یہ وکالت درست ہے خواہ اس میں کتنا ہی ابہام ہو —— اور اگر وکالت خاصہ کے ساتھ وکیل بنایا یعنی مخصوص چیز خریدنے کا حکم دیا اور "تمہاری جو مرضی ہو" یا "جیسا مناسب سمجھو" وغیرہ الفاظ کے ذریعہ مطلق اختیار نہ دیا تو اگر اس میں جہالت یسیرہ ہو تو درست ہے، جہالت فاحشہ ہو تو درست نہیں اور اگر جہالت

← ومنها بعه نسيئة له بيعه نقداً،بعه في سوق كذا فباعه في غيره نفذ،لاتبعه إلا في سوق كذا ،لا(الأشباه والنظائر: ٢١١، دارالكتاب،بيروت—قواعد الفقه.ص: ١٣١ قاعده: ٣٦٤ ، حاشيه)

(١)وكالة لاتقتصر على المجلس بخلاف التمليك. (قواعد الفقه ص: ١٣٨ قاعده:٣٩٣)(٢) فإذا قال لرجل طلقها لاتقتصر (وله الرجوع) وطلقي نفسك يقتصر (وليس له الرجوع) .(قواعد الفقه :١٣٨حاشيه ،تحت قاعده : ٣٩٣، بحوالة: الأشباه)

متوسطہ ہوتو اس چیز کا ثمن یا وصف دونوں میں سے کسی ایک کو بیان کر دیا تو درست ہے ورنہ درست نہیں۔ (۱)

تشریح: جہالت فاحشہ: وہ جنس کی جہالت ہے، جیسے کہا کپڑا خریدو یا جانور خریدو تو یہ وکالت درست نہیں، کیونکہ کپڑے میں مختلف قسمیں ہیں: ریشمی، سوتی، کتان وغیرہ، اور جانور میں بھی گھوڑا، گدھا، بیل، بکری وغیرہ مختلف اقسام ہیں، موکل کی مراد کیا ہے؟ معلوم نہیں، اور یہ چونکہ جنس کی جہالت ہے اس لئے فحش جہالت کہلائے گی جو وکالت کے لئے مطلقاً مانع ہوگی، اگرچہ موکل ثمن بیان کر دے۔

جہالت یسیرہ: وہ نوع کی جہالت ہے، جیسے کہا سوتی کپڑا خریدو، یا گھوڑا خریدو وغیرہ تو اس جہالت میں حرج نہیں، وکالت درست ہے، خواہ موکل اس چیز کا وصف یا ثمن بیان کرے نہ کرے، کیونکہ جب نوع بیان کر دی گئی تو اس کی صفت موکل کے حال سے خود واضح ہوگی، مثلاً موکل عربی ہے اور یہ معلوم ہو کہ وہ عربی ہی گھوڑا استعمال کرتا ہے تو اب وکیل عربی ہی گھوڑا خریدے گا نہ کہ ترکی، اور ثمن کی وضاحت بھی ضروری نہ ہوگی، کیونکہ ثمن صفت سے معلوم ہو جائے گا۔

---

(۱) الأصل أنها إن عمت أو علمت أو جهلت جهالة يسيرة وهى جهالة النوع المحض صحت وإن فاحشة وهى جها لة الجنس كدابة بطلت وإن متوسطة كعبد فإن بين الثمن أو الصفة كتركى صحت وإلالا...وكله بشراء ثوبه ثوب هروى أو فرس أو بغل صح ...وبشراء دار أو عبد جاز إن سمى الموكل ثمناً يخصص نوعاً أو لا... وإلايسم ذالك لايصح وألحق بجهالة الجنس وهى مالو وكله بشراء ثوب أو دابة لايصح وإن سمى ثمنا للجهالة الفاحشة. (الدر المختار) وفى الشاميه :(إن عمت) بأن يقول ابتع لى مارأيت لأنه فوّض الأمر إلى رأيه فأى شىء يشتريه يكون ممتثلا، درر.وفى البحر عن البزازية :ولو وكله بشراء أى ثوب شاء صح .(شامى :۲۴۸/۸– هنديه:۵۷۳/۳)

(البتہ اگر موکل کی حال سے وصف واضح نہ ہوتا ہو تو پھر نوع کی وضاحت کے بعد بھی اس کا وصف یا ثمن دونوں میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ علامہ کاسانی نے بکری اور گائے میں اس وضاحت کو ضروری قرار دیا ہے)[1]

اور جہالت متوسطہ: وہ جنس اور نوع کے مابین کی جہالت ہے، جیسے کہا میرے لئے فلاں شہر میں کوئی گھر خریدو تو اس میں وصف یا ثمن دونوں میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہوگا، یا تو ثمن بیان کرے مثلاً کہے دس لاکھ تک کا گھر خریدو، یا وصف بیان کرے اور کہے اس قسم کا فلیٹ خریدو یا رو ہاؤس خریدو تو وکالت درست ہے اور وہ نوع کی جہالت کے ساتھ ملحق ہوگا، اور اگر گھر کا نہ ثمن بیان کیا اور نہ وصف تو وکالت درست نہیں اور وہ جنس کی جہالت کے ساتھ ملحق ہوگا۔

اسی طرح اگر مکیلی اور موزونی چیزوں کے خریدنے کا وکیل بنایا تو دو میں سے ایک چیز کو بیان کرنا ہوگا، یا تو ثمن کی مقدار بیان کرے مثلاً پانچسو روپے کے گیہوں خریدو، یا مثمن (مبیع) کی مقدار کی وضاحت کردے مثلاً دس کلو گیہوں خریدو، تو وکالت درست ہے، ورنہ درست نہیں۔[2]

۳۹۶- **ضابطہ**: تمام امور کا وکیل بنانے میں (جیسے کہا "تم میرے تمام امور کے وکیل ہو) وکالت کا تعلق عقد معاوضات کے ساتھ ہوگا، عتق، طلاق اور تبرعات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

---

(۱) ولوقال اشتر لی شاة ولم یذکر صفة ولاثمناً لایجوز لأن الشاة والبقرة لاتصیر معلومة الصفة بحال الموکل ولابد أن یکون أحدهما معلوماً لما بینا. (بدائع الصنائع: ۲۲/۵)

(۲) ولوقال اشترلی حنطة لایصح التوکیل مالم یذکر أحد شیئین: إما قدر الثمن وإما قدر المثمن وهو المکیل، لأن الجهالة لاتقل إلا بذکر أحدهما وعلی هذا جمیع المقدرات من المکیلات والموزونات. (بدائع الصنائع: ۲۲/۵)

تشریح: عقد معاوضات سے مراد بیع، اجارہ وغیرہ ہے پس وکیل عام کو موکل کے مال میں سے ان تمام عقود کا جو معاوضات کے قبیل سے ہوں اختیار ہوگا۔

لیکن جو چیزیں تبرعات کے قبیل سے ہیں جیسے موکل کے مال کو ہدیہ کرنا، صدقہ کرنا، زمین یا مکان کا وقف کرنا، قرض دینا وغیرہ کا اس کو اختیار نہ ہوگا، یہی مفتی بہ ہے۔

اسی طرح طلاق اور عتاق کا بھی وہ مالک نہ ہوگا، پس ایسی وکالت کے ذریعہ وہ موکل کی بیوی کو طلاق یا اس کے غلام کو آزاد نہیں کرسکتا، فتویٰ اسی پر ہے۔(۱)

۳۹۷- **ضابطہ**: ایک ہی معاملہ میں اگر متعدد وکیل ہوں تو جن امور میں تبادلہ خیال اور غور وفکر کی حاجت ہوتی ہے (جیسے نکاح، خلع، مضاربت وغیرہ) ان میں تنہا ایک وکیل تصرف کا مجاز نہیں۔ اور جن امور میں تبادلہ خیال کی حاجت نہ ہو بلکہ صرف مؤکل کے حکم کی تعمیل کرنی ہو (جیسے طلاق، ہبہ، دین کی ادائیگی، امانت کی واپسی وغیرہ) ان میں تنہا ایک وکیل کا تصرف بھی معتبر ہے۔(۲)

(۱) ......وعام كأنت وكيلي في كل شيء عم الكل حتى الطلاق......وخصه قاضيخان بالمعاوضات، فلايلي العتق والتبرعات وهو المذهب(الدر المختار) وفي الشامية:وفي الذخيرة:أنه توكيل بالمعاوضات لابالإعتاق والهبات وبه يفتي. وفي الخلاصة كما في البزازية :والحاصل أن الوكيل وكالة عامة يملك كل شيء إلا الطلاق والعتاق والوقف والهبة والصدقة على المفتي به......وهل له الإقراض والهبة بشرط العوض؟ فإنهما بالنظر إلى الابتداء تبرع ...وينبغي أن لايملكهما الوكيل بالتوكيل العام لأنه لايملكهما إلا من يملك التبرعات .الخ (شامي:۸/ ۲۴۰ -۲۴۱ -البحر الرائق: ۷/ ۲۳۶، التاتار خانية: ۱۲/ ۲۴۲)

(۲)إذا وكّل وكيلين فليس لأحدهماأن يتصرف فيما وُكِّلابه دون الآخر، هذا في تصرف يحتاج فيه إلى الرأى كالبيع والخلع وغير ذالك......إلا أن يوكلهما بالخصومة ..أو بطلاق زوجته بغير عوض أو برد وديعة عنده أو قضاء دين عليه ..الخ .(هدايه:۱۹۲ -بدائع :۵/ ۳۵)

۳۹۸-**ضابطہ**: وکالت میں خیار شرط صحیح نہیں (پس وکالت صحیح رہے گی، اور شرط باطل ہوگی)

تشریح: کیونکہ خیار کی شرط اس عقد لازم میں مشروع ہے جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو، اور وکالت غیر لازم ہے۔

پس اگر کہا کہ تو میری بیوی کی طلاق کا وکیل ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھ کو تین دن کا اختیار ہے، یا عورت کو اختیار ہے تو یہ شرط باطل ہوگی اور وکالت صحیح رہے گی، وکیل جب چاہے اس کی بیوی طلاق دے سکتا ہے، جب تک اس کو معزول نہ کیا جائے۔(۱)

۳۹۹-**ضابطہ**: وکالت میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

تشریح: پس اگر موکل یا وکیل کی موت ہوگئی تو توکیل باطل ہوگی، مورث کی یہ وکالت ان کے ورثا کی طرف منتقل نہ ہوگی۔(۲)

۴۰۰-**ضابطہ**: وکیل کو معزولی کا علم ہونا ضروری ہے خواہ کسی بھی عقد کا وکیل ہو، ورنہ معزول نہ ہوگا۔

تشریح: پس بیع وشراء، نکاح، طلاق بلکہ تمام تصرفات کے وکیل لئے یہ حکم ہے کہ جب تک معزولی کا علم نہ ہو وہ وکیل باقی رہے گا اور وکالت سے متعلق اس کا ہر تصرف صحیح رہے گا، باطل نہ ہوگا۔ مثلاً بیوی کی طلاق کا وکیل بنایا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد معزول کر دیا، لیکن وکیل کو معزولی کا علم نہیں ہوا اور اس نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا مثلاً خریدنے کا وکیل بنایا، پھر معزول کر دیا لیکن وکیل کو اطلاع دیر سے پہنچی اور

---

(۱) ولا يصح شرط الخيار فيهالأن شرط الخيار شرع في لازم يحتمل الفسخ والوكالة غير لازمة .حتى أن من قال أنت وكيل في طلاق امرأتي على أني بالخيار ثلاثة أيام أو على أنها بالخيار ثلاثة أيام فالوكالة جائزة والشرط باطل. (هنديه : ۳/ ۵٦۷)

(۲) وينعزل بموت أحدهما. (الدر المختار علي هامش رد المحتار ۸/ ۲۸۱)

مطلوبہ چیز اس نے خرید لی تو وہ موکل ہی کی شمار ہوگی۔ (۱)

۴۰۱- **ضابطه**: وکیل اور موکل میں اختلاف ہو تو وکیل کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔ (۲)

تشریح: یعنی جب موکل اپنے مدعی پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اب وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اگر اس نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر قسم سے انکار کر دیا تو پھر موکل کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

لیکن ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ: دین کے قبضہ کا وکیل تھا، اور موکل کی موت کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے موکل کی حیات میں اس دین کا قبضہ کر کے اس کو دے دیا تھا، تو اب اس کا قول معتبر نہ ہوگا، بلکہ دعویٰ پر گواہ پیش کرنا ضروری ہوگا۔ (۳)

نوٹ: وکالت سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔
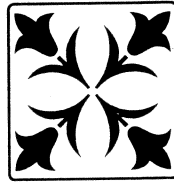
---

(۱) ولايصح عزل الوكيل من غير علم الموكل ولايخرج عن الوكالة عندنا، والوكيل بالبيع والشراء والنكاح والطلاق وسائر التصرفات في ذالك على السواء. (التاتارخانية: ۱۲/۲۵۳)

(۲) الوكيل يقبل قوله بيمينه فيما يدعيه. (قواعد الفقه ص: ۱۳۸، قاعده: ۳۹٤)

(۳) إلا الوكيل بقبض الدين إذا ادعى بعد موت الموكل أنه كان قبضه في حياته ودفعه له، فإنه لايقبل قوله إلا بالبينة. (قواعد الفقه ص: ۱۳۸ "حاشية" تحت قاعده: ۳۹٤، بحوالة: الأشباه والنظائر ص: ۳۷۱)

کتاب الودیعۃ

تمہید: کسی کے پاس امانت کے طور پر مال رکھنے کو ودیعت کہتے ہیں، اصطلاح میں: صاحب مال کو "مودِع" (بکسر الدال) اور جس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو "امین" اور "مودَع" (بفتح الدال) اور مال امانت کو "ودیعت" کہا جاتا ہے۔[۱]

۴۰۲-**ضابطہ**: ودیعت میں دلالتاً ایجاب وقبول بھی کافی ہے۔[۲]

تشریح: یعنی بغیر کچھ الفاظ کہے جب قرائن سے ایجاب وقبول سمجھا جائے تو ودیعت کا معاملہ ثابت ہو جاتا ہے، صرحتاً ایجاب قبول ضروری نہیں۔

تفریعات:

(۱) کسی نے دکاندار سے کہا میں نماز پڑھنے جاتا ہوں اور اپنا یہ مال یہاں رکھتا ہوں ذرا دیکھنا، دکاندار خاموش رہا، کچھ جواب نہیں دیا، تو یہ اس کی طرف سے قبول مانا جائیگا، اب اگر اس کی غفلت اور بے اعتنائی سے وہ سامان ضائع ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

(۲) بلکہ اگر صاحب مال کچھ نہ کہے اور خاموشی سے اپنا مال دیدے اور دکاندار خاموشی سے لے کر رکھ لے تو یہ بھی دلالتاً ودیعت کا معاملہ سمجھا جائے گا، اگر دکاندار کی غفلت سے وہ مال ضائع ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔[۳]

---

(۱)...والوديعة مايترك عند الأمين (هنديه: ۴/ ۳۳۸)

(۲)والويعة تارةتكون بصريح الإيجاب والقبول وتارة بالدلالة. (هنديه: ۴/ ۳۳۸)(۳)والدلالة:إذا وضع عنده متاعاً ولم يقل له شيأأو قال هذا وديعة عندك وسكت الآخر صار مودعاً حتى لو غاب الآخر فضاع ضمن لأنه ايداع وقبول عرفاً (هنديه: ۴/ ۳۳۸- شامی :۸/ ۴۵۴)

(۳) کوئی شخص اپنی گاڑی لے کر دوسرے کے مکان کے کمپاؤنڈ میں گیا اور کہا کہ: میں اپنی یہ گاڑی کہاں کھڑی کروں، اس نے کہا یہاں کھڑی کرلو اور اپنے کمپاؤنڈ میں کوئی جگہ بتلائی اور اس نے وہاں کھڑی کردی تو یہ دلالتاً ودیعت کا معاملہ ہوگا، اگر صاحب مکان کی لاپرواہی سے وہ گاڑی ضائع ہوگئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔[۱]

(۴) سفر کے دوران چار ساتھی ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص اپنا سامان سامان چھوڑ کر کھڑا ہوا، تو باقی تین اس کے ذمہ دار ہوں گے، کیونکہ عادتاً دلالت حال سے اس طرح کا سامان ودیعت سمجھا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے اس کے سامان کی حفاظت نہیں کی اور وہ ضائع ہوگیا تو سب پر ضمان آئے گا، اور اگر یکے بعد دیگرے سب اس جگہ سے اٹھ گئے تو ان میں جو سب سے آخر میں مجلس سے اٹھا اس پر ضمان آئے گا۔[۲]

۴۰۳-**ضابطہ**: حفاظت مال کے لئے مودَع (امین) وہ سب طریقے اختیار کرسکتا ہے جو اپنے مال میں کرتا ہے۔[۳]

جیسے امانت کا مال اپنے پاس رکھے یا اپنی بیوی یا بال بچوں اور زیر پرورش لوگوں کے پاس رکھے، یا اس شخص کے پاس رکھے جس کے پاس عادتاً حفاظت کے لئے رکھا

---

(۱)وكقوله لرب الخان أين أربطهافقال هناك كان ايداعاً.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار:۸/۴۵۵)

(۲)المسئلة مستفاد من هذه العبارة:"لوقام واحد من أهل المجلس وترك كتابه أو متاعه فالباقون مودعون فيه حتى لو تركوا وهلك ضمنوالأن الكل حافظون فإن قام واحد بعد واحد فالضمان على آخرهم لأنه تعين الآخر حافظاً". (هنديه: ۴/ ۳۳۸)

(۳)أن الملتزم بالعقد هو الحفظ، والإنسان لايلتزم بحفظ مال غيره عادةً إلا بما يحفظ به مال نفسه.(بدائع الصنائع: ۵/۳۰۸)

جاتا ہے جیسے کاروباری پارٹنرز وغیرہ تو اس کی اجازت ہے۔ (۱)

نیز مال کے خطرہ کے وقت جیسے آگ لگ گئی اور پڑوس میں پھینک دیا، یا لوٹ چلی اور حفاظت کے لئے دوسرے کی طرف ڈال دیا، یا سمندر میں کشتی ڈوبنے کا خطرہ ہو اور قریب والی کشتی میں پھینک دیا وغیرہ ...وہ تمام صورتیں جو آدمی اپنے مال کی حفاظت کے لئے کرتا ہے ودیعت کے مال میں بھی کرسکتا ہے، اس کی وجہ سے وہ تعدی کرنے والا نہ ہوگا، اگر اس طرح کرنے میں مال ہلاک بھی ہوگیا تو اس پر کوئی ضمان نہ آئے گا۔ (۲)

۴۰۴- **ضابطہ**: امانت کا مال ہلاک ہونے پر کوئی ضمان نہیں آتا، مگر یہ کہ امین کی جانب سے تعدی ہو۔ (۳)

تشریح: اور تعدی کی مختلف صورتیں ہیں، من جملہ یہ ہیں:

۱- امین نے مال چوری ہوتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے دیکھا اور باوجود قدرت کے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ (۴)

۲- عادتاً جن کے پاس مال رکھا جاتا ہے بجائے ان کے دوسروں کے پاس رکھا اور ضائع ہوگیا۔ (۵)

۳- نہر یا سمندر میں نہانے کے لئے گیا اور امانت کا سامان ویسے ہی چھوڑ دیا اور

---

(۱)......وعن محمد: إن حفظها بمن يحفظ ماله كوكيله ومأذونه وشريكه مفاوضةً وعناناً جاز، وعليه الفتوىٰ. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/ ٤٥٧)

(۲) إلا أن يقع في داره حريق فيسلمها إلى جاره أو يكون في سفينة فخاف الغرق فينقلها إلى سفينة أخرى لم يضمن. (الجوهرة النيرة: ٤٤٨/١- هنديه: ٤/ ٣٤٠)

(۳)......أمانة في يد المودع إذا هلكت من غير تعدى لم يضمنها. (اللباب في شرح الكتاب: ١١١/١)

(۴) (هنديه: ٣٤٦/٤) (۵) (بدائع: ٣٠٨/٥)

ضائع ہو گیا۔ (۱)

۴-بغیر اجازت کے اس سامان یا پیسوں کو استعمال کرلیا۔ (۲)

۵-اپنے مال کے ساتھ اس طرح مخلوط کر دیا کہ تمیز مشکل ہوگئی۔ (۳)

۶-مال دینے سے انکار کر دیا (یعنی مکر گیا) اور کہتا ہے کہ میرے پاس تم نے کچھ امانت نہیں رکھوائی، پھر اعتراف کیا مگر کہتا ہے وہ مال ضائع ہو گیا۔ (۴)

پس یہ تمام صورتیں تعدی کی ہیں، ان میں ضمان لازم ہوگا (آخری صورت میں اس لئے کہ مکر جانے کے بعد یہ کہنا کہ مال ضائع ہو گیا اس کا یہ قول معتبر نہ ہوگا، کیونکہ مکرنے سے اس کی حیثیت غاصب کی ہوگئی اور غاصب پر مال مغصوب کا ضمان لازم ہوتا ہے)

۴۰۵-**ضابطہ**: تعدی کا زائل ہو جانا ضمان کو ختم کر دیتا ہے، جبکہ تعدی سے کوئی نقص نہ آیا ہو۔ (۵)

جیسے امانت کے جانور یا گاڑی پر سواری کرلی، یا کپڑے کو پہن لیا، یا غلام سے خدمت لی، یا مال کو دوسرے کے پاس ودیعت رکھا یا کوئی اور صورت تعدی کی اختیار کی، پھر اس تعدی کو زائل کرلیا اور اس کو بعینہ پہلی حالت پر یا اس سے اچھی حالت پر لوٹا لیا تو ضمان جو آیا تھا وہ ختم ہو جائے گا، اس کے بعد اگر مال ہلاک ہو گیا تو امین پر کچھ ضمان لازم نہ ہوگا۔

مگر شرط ہے کہ استعمال سے اس میں ذرا بھی نقص نہ آیا ہو، اگر نقص آجائے تو پھر ضمان زائل نہ ہوگا۔ (۶)

---

(۱)(هنديه : ۴ / ۳۴۸)(۲)(الحوالة السابقة)(۳)(الحوالة السابقة)

(۴)فإن طلبها صاحبها فجحدها إياه فهلكت ضمنها،فإن عاد إلى الاعتراف لم يبرأ من الضمان.(قدوری علی هامش اللباب :۱/۱۱۲- الجوهرة النيرة: ۱ / ۴۴۹-۴۵۰) (۵)(هنديه: ۴/۳۴۷-۳۴۸)

(۶)وإذا تعدى المودع في الوديعة بأن كانت دابة فركبها أو ثوباً فلبسه أو عبد فاستخدمه أو أودعها عند غيره ثم أزال التعدى فردها إلى يده زال الضمان ←

اور اگر مالک اور امین کے درمیان نقص کے آنے نہ آنے میں اختلاف ہوتو مالک کا قول معتبر ہوگا۔[1]

۴۰۶- **ضابطہ**: صاحب مال کی جانب سے لگائی گئی شرط اگر حفاظت سامان کے لئے مفید ہو اور ممکن العمل بھی ہو تو اس کی رعایت مودَع (امین) پر ضروری ہے (اس کی مخالفت ضمان کا موجب ہے) ورنہ (یعنی مفید نہ ہو یا ممکن العمل نہ ہوتو) رعایت ضروری نہیں۔[2]

تشریح: مفید ہونا: جیسے کہا اس سامان کو اپنے گھر کے فلاں کمرے میں رکھنا اور وہ کمرہ حفاظتی نقطۂ نظر سے دوسرے کمروں کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ ہو یا جیسے کہا اس سامان کو ایک ہی جگہ رکھنا ادھر ادھر نہ کرنا اور وہ سامان ایسا ہو کہ اس کو زیادہ ہلانے سے نقصان ہوتا ہو، یا جیسے کہا یہ مال اپنی بیوی کے پاس مت رکھوانا اور اس کی بیوی خیانت یا لاپرواہی میں معروف ہوتو ایسی شرط کی رعایت امین پر ضروری ہے۔ لیکن اگر سب کمرے حفاظت کے لحاظ سے برابر ہوں، اور دوسری صورت میں سامان ایسا ہو کہ ہلانے سے اس کو نقصان نہ آتا ہو، اور تیسری صورت میں اس کی بیوی امانت دار اور مستعد ہو بلکہ اس کے پاس مال رکھنے میں حفاظت زیادہ ہوتی ہوتو پھر ایسی شرط کی رعایت ضروری نہیں کہ وہ غیر مفید ہیں۔

← وهذا إذا كان الركوب والاستخدام واللبس لم ينقصها أما إذا نقصها ضمن، كذا في الجوهرة. (هنديه: ٤/ ٣٤٧-٣٤٨. الجوهرة النيرة: ١/ ٤٤٩)

---

(١)......إذا صدقه المالك في العود وإن كذبه لايبرأ إلا أن يقيم البينة على العود إلى الوفاق. (هنديه: ٤/ ٣٤٧، ٣٤٨-الدر المختار على هامش ردالمحتار: ٨/ ٤٦٤)

(٢)الأصل فيه إن الشرط إذا كان مفيداً والعمل به ممكناً وجب مراعاته والمخالفة فيه توجب الضمان،وإذا لم يكن مفيداً ولم يكن العمل به كمافيما نحن فيه يلغو. (عناية مع الفتح:٨/ ٤٩٤-هنديه: ٤/ ٣٤١)

اور ممکن العمل نہ ہونا: جیسے اس سامان کو ہر وقت اپنے ساتھ لئے رکھنا، ایک لمحہ کے لئے بھی الگ نہ رکھنا وغیرہ تو ایسی شرط کی رعایت ضروری نہیں۔[۱]

۴۰۷-**ضابطہ**: مالک مال اور امین میں اختلاف ہو تو امین کا قول (یمین کے ساتھ) معتبر ہوگا۔

تشریح: پس اگر امین دعویٰ کرے کہ امانت کا مال ہلاک ہو گیا اور مالک مال ہلاک ہونے سے انکار کرے، یا کہے: میں نے وہ مال تمہیں واپس کر دیا تھا اور مالک کہے تم نے مجھے واپس نہیں کیا ہے، یا امین کے پاس مال ہلاک ہو گیا اور اس کے متعلق کہتا ہے: تم نے مجھے وہ مال بطور امانت دیا تھا اور مالک مال کہتا ہے کہ نہیں! میں نے بطور قرض دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں امین چونکہ اصل یعنی تعدی کے نہ ہونے اور استصحاب حال کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے اس کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، یعنی جب مالک مال اپنے مدعی پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اب امین کا قول کا یمین (قسم) کے ساتھ معتبر ہوگا (لیکن اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو پھر مالک مال کے حق میں فیصلہ ہوگا)[۲]

استثناء: اگر امین نے مال کو استعمال کیا جس کی وجہ سے اس میں نقص آنے نہ آنے میں دونوں میں اختلاف ہو گیا تو اس میں مالک کا قول معتبر ہوگا، یہ صورت مستثنیٰ ہے (اس مسئلہ کی تفصیل ماقبل میں ضابطہ نمبر ۴۰۵ گزر چکی)

---

(۱)(الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۸/۴۶۷ —هندیه: ٤/٣٤١)

(۲)أن المودع مع المودع إذا اختلفا فقال المودع :هلكت أو قال :رددتها إليك وقال المالك : بل استهلكتها فالقول قول المودع،لأن المالك يدعى على الأمين أمراً عارضاً وهو التعدى والمودع مستصحب لحال الأمانة فكان مستمسكاً بالأصل فكان القول قوله لكن مع اليمين...... وكذالك إذا قال المودع: استهلكت من غير إذني وقال المودع: بل استهلكتها أنت أو غيرك بأمرك أن القول قول المودع .(بدائع الصنائع: ٥/ ٢١٤)

کتاب العاریة

تمہید: عاریت کہتے ہیں: کسی کو بلاعوض کسی شی کے صرف نفع کا مالک بنانا، یعنی شی پر اپنی ملکیت باقی رکھتے ہوئے بغیر کچھ عوض لئے اس سے نفع اٹھانے اور استفادہ کی اجازت دینا (عوض لے کر نفع کا مالک بنانا ''اجارہ''؛ بلاعوض اصل شی کا مالک بنانا ''ہبہ'' اور عوض لے کر اصل شی کا مالک بنانا ''بیع'' کہلاتا ہے) ——— عاریت پر دینے والے کو ''معیر'' اور عاریت لینے والے کو ''مستعیر'' اور عاریت پر دی گئی چیز کو ''مستعار'' کہا جاتا ہے۔

۴۰۸- **ضابطہ**: ہر وہ لفظ جو عاریت کے مقصد ومنشا÷ کو واضح کرے (وہ عاریت کے لئے) کافی ہے۔(۱)

جیسے یہ گھر میں نے تم کو رہنے کے لئے دیا؛ یا یہ کپڑا استعمال کے لئے دیا؛ یا یہ زمین کھیتی کے لئے دی وغیرہ وہ تمام الفاظ جس سے عاریت ہونا سمجھا جائے عاریت ہونے کے لئے کافی ہے، صراحتاً لفظ عاریت بولنا ضروری نہیں۔

اور جو الفاظ عاریت وہبہ میں محتمل ہوں ان میں ضابطہ یہ ہے کہ:

۴۰۹- **ضابطہ**: جن الفاظ میں ہبہ اور عاریت دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہو ان میں بولنے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

جیسے کہا میں نے تم کو اس سواری پر سوار کیا، یا یہ کپڑا پہنایا تو چونکہ اس میں دونوں احتمال ہے اس لئے اس میں نیت کا اعتبار ہوگا، اگر بولتے وقت ہدیہ کی نیت تھی تو ہدیہ

(۱)(مستفاد :ھندیه : ٤ / ٣٦٣- بدائع: ٥ / ٣١٨)

ہے، اور عاریت کی نیت تھی تو عاریت ہے۔
اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو ان دونوں میں ادنی یعنی عاریت پر محمول کیا جائے گا۔ (۱)

۴۱۰- **ضابطہ**: وہ چیزیں جن میں نفع اٹھانا عین کے استہلاک کے بغیر ممکن نہ ہو ان میں عاریت (حکماً) قرض ہے۔ (۲)

جیسے کہا میں یہ پیسے تم کو عاریتاً دیتا ہوں، یا یہ کھانا عاریتاً دیتا ہوں تو یہ حکماً قرض شمار ہوگا، کیونکہ پیسے اور کھانا ایسی چیز ہے کہ اس سے نفع اٹھانا ان کے استہلاک کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا انتفاع سے قبل بھی اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا۔

۴۱۱- **ضابطہ**: عاریت مطلقہ میں سامان مستعار سے نفع اٹھانے کی تحدید عرف پر محمول ہوگی اور عاریت مقیدہ میں مستعیر کی شرط کے ساتھ مقید ہوگی۔ (۳)

تشریح: عاریت مطلقہ یہ ہے کہ: بلاشرط وقید عاریت دی جائے یعنی اس میں جگہ، وقت، مقدار اور استعمال کنندہ وغیرہ سے متعلق کوئی شرط وقید نہ ہو۔ اس میں سامان مستعار سے نفع اٹھانے کی تحدید عرف پر محمول ہوگی، مستعیر اس حد تک نفع اٹھانے کا مجاز

---

(۱) وأما قوله حملتك على هذه الدابة فإنه يحتمل الإعارة والهبة فأى ذالك نوى فهو على مانوى لأنه مايحتمل لفظه وعند الاطلاق ينصرف إلى العارية لأنه أدنى فكان الحمل عليها أولىٰ. (بدائع الصنائع: ۵/۳۱۹)

(۲) والأصل فى هذا أنه إذا أضاف هذه الألفاظ إلى مايمكن الانتفاع به مع بقاء عينه فهو تمليك للمنفعة دون العين، وإذا أضافه إلى مالا ينتفع به إلا باستهلاك عينه فهو تمليك للعين فيكون قرضاً. (هنديه: ۴/۳۶۳، مجمع الأنهر: ۳/۴۸۱)

(۳) وإن كان مقيداً فيراعى فيه القيد ما أمكن ......إلا إذا لم يمكن اعتباره لعدم الفائدة ونحو ذالك فلغا الوصف......والمطلق يتقيد بالعرف والعادة. (بدائع الصنائع: ۵/۳۲۱)

ہوگا جو عرف میں مروج ہو مثلا کوئی جانور (یا گاڑی) ایک کوئنٹل سامان اٹھانے کا متحمل ہو، اس سے زیادہ سامان لوگ اس پر نہ لادتے ہوں تو اب مستعیر کو بھی ایک کوئنٹل تک ہی اجازت ہوگی، اس سے زیادہ لادنے میں اس کی طرف سے تعدی (زیادتی) شمار ہوگی، اگر اس کی وجہ سے وہ جانور ہلاک ہوگیا تو ضمان لازم ہوگا۔

اور عاریت مقیدہ یہ ہے کہ: مالک نے مشروط اجازت دی ہو یعنی جگہ، وقت، مقدار اور استعمال کنندہ وغیرہ سے متعلق کوئی شرط یا قید اپنی جانب سے لگادی ہو۔ اس میں مستعیر کو مالک کی جانب سے لگائی تمام شرائط وقیودات کی رعایت لازم ہوگی، ان سے تجاوز کر کے نفع اٹھانے کی اجازت اس کے لئے نہ ہوگی، مثلا کہا تم اس جانور کی سواری خود کرنا، یا یہ گاڑی خود ہی چلانا دوسرے کو نہ دینا، تو اب مستعیر کو اس کی رعایت لازم ہوگی، کسی اور کو سواری یا چلانے کے لئے وہ نہیں دے سکتا۔

مگر اس شرط کے مثل یا بہتر سے مخالفت میں حرج نہیں، جیسے کہا میں یہ سواری دیتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ تم اس پر بیس کلو چاول لادنا، تو اتنے ہی وزن کے دوسرے اناج کو لاد سکتا ہے کہ یہ مثل سے مخالفت ہے، اسی طرح بیس کلو سے کم وزن اناج کو بدرجہ اولیٰ لاد سکتا ہے کہ یہ اس سے بہتر کے ذریعہ مخالفت ہے۔ (۱)

نیز اگر مالک نے کوئی ایسی شرط لگائی جس میں اس کا (مالک کا) کوئی فائدہ نہیں مثلا کہا اس سامان کو اپنے داہنے ہاتھ میں ہی اٹھانا حالانکہ بائیں ہاتھ سے اٹھانے یا سر پر رکھنے میں سامان کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو، یا کہا اس سامان کو اپنے فلاں کمرے میں رکھنا جبکہ سب کمرے حفاظتی نقطۂ نظر سے برابر ہو تو ایسی غیر مفید شرط کی رعایت لازم نہیں۔ (۲)

---

(۱) وإن قيده بوقت أو نوع أو بهما ضمن بالخلاف إلى شرّ فقط لا إلى مثل أو خير . (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۴۷۹/۸)

(۲) (بدائع الصنائع: ۳۲۱/۵)

۴۱۲- **ضابطہ**: عاریت کا مال ہلاک ہونے پر کوئی ضمان نہیں آتا، مگر یہ کہ مستعیر کی جانب سے تعدی ہو۔ (۱)

نوٹ: تعدی کی مختلف صورتیں ہیں جو سب ودیعت کے بیان میں ضابطہ نمبر ۴۰۴ کے تحت گذر چکیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ عاریت میں مزید یہ بات بھی تعدی میں داخل ہے کہ سامان کی واپسی کا جو وقت معین تھا اس وقت میں واپس نہیں کیا۔ (۲)

فائدہ: اگر عاریت دہندہ کی جانب سے سامان ضائع ہونے پر مطلقاً ضمان کی شرط لگادی جائے تو کیا یہ شرط مؤثر ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے، صاحب جوہرۃ کے نزدیک یہ شرط معتبر ہے، انہوں نے مستعیر کو ضامن قرار دیا ہے۔ (۳) قاموس الفقہ میں ہے کہ: ''فی زمانہ کہ دیانت وایمانداری کا فقدان عام ہے صاحب جوہرہ کی رائی مصلحت سے قریب تر نظر آتی ہے''۔ (۴)

۴۱۳- **ضابطہ**: عاریت غیر لازم معاملات میں سے ہے۔ (۵)

تفریع: پس عاریت دہندہ (مالک مال) جب چاہے اپنے مال کو واپس لے سکتا ہے اور مستعیر کو اسی وقت واپس کرنا ضروری ہے، اگر چہ فوری واپسی سے مستعیر کو نقصان لازم آتا ہو، جیسے زمین میں مستعیر نے کھیتی لگا رکھی ہے یا درخت لگایا ہے، اورا چانک

---

(۱) ولا تضمن بالهلاك من غير تعدّ...... (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ٤٧٦/٨) (۲) فلو مقيدة كأن يعيره يوماً فلولم يردها بعد مضيه ضمن إذا هلكت......قال في الشرنبلالية: سواء استعملها بعد الوقت أولا. (شامي: ٤٧٦/٨) (۳) وشرط الضمنا باطل كشرط عدمه في الرهن خلافاً للجوهرة. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٤٧٦/٨)

(۴) (قاموس الفقه: ٣٦٤/٤)

(۵)...... لما تقرر أنه غير لازمة. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٤٨٠/٨)

واپسی سے اس کا نقصان ہے، پھر بھی واپس کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں مالک کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

البتہ اگر عاریت موقت ہو، مثلاً تین مہینے تک کیلئے عاریت پر دیتا ہوں یا کھیتی پکنے تک عاریت پر دیتا ہوں تو وقت سے پہلے واپسی میں اگر مستعیر کا نقصان ہوتا ہو تو مالک کے لئے وقت ختم ہونے تک اس کی رعایت ضروری ہے (لیکن مطالبہ کے وقت سے رعایت کرنے تک مستعیر کے ذمہ زمین کی اجرت مثل لازم ہوگی) اور اگر مالک معینہ وقت تک رعایت نہیں کرے گا تو مستعیر کا جو نقصان ہوا وہ اس کو ادا کرنا ہوگا، یعنی مثلاً معینہ مدت تک کھیتی کو باقی رکھا جاتا تو اس وقت اس کی جو قیمت بنتی اور فی الحال کچی کھیتی اکھاڑنے کے بعد جو قیمت بن رہی ہے اس کے درمیان کے تفاوت کو ادا کرے گا (اور قیمت لگانے میں عاریت کی واپسی کے دن کا اعتبار ہوگا)[۱]

۴۱۴- **ضابطہ**: عاریت میں مخالفت (تعدّی) کے بعد اس کو وفاق کی طرف لوٹانے سے ضمان زائل نہ ہوگا، برخلاف ودیعت کے۔[۲]

(۱) ولعدم لزومها يرجع المعير متى شاء ولو موقتة أوفيه ضرر فتبطل وتبقى العين بأجر المثل. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار:۸/۴۷۶) ولو أعار أرضاً للبناء والغرس صح للعلم بالمنفعة وله أن يرجع متى شاء لما تقرر أنه غير لازمة ويكلفه قلعهما......وإن وقت العارية فرجع قبله كلفه قلعهما وضمن المعير للمستعير مانقص البناء والغرس بأن يقوم قائماً إلى المدة المضروبة وتعتبر القيمة يوم الاسترداد. (الدرالمختار) وفى الشامية: (قائماً) فلو قيمته قائماً فى الحال أربعة وفى المآل عشرة ضمن ستة، شرح الملتقى (شامى: ۸/۴۸۰)

(۲) وكذا إذا خالف، إلا أن فى باب الوديعة إذا خالف ثم عاد إلى الوفاق يبرأ عن الضمان عند أصحابنا الثلاثة رضى الله عنهم وهنا لايبرأ. (بدائع الصنائع: ۵/۳۲۴)

تشریح: عاریت مطلقہ میں عرف کی مخالفت، اور عاریت مقیدہ میں شرائط کی مخالفت سے جو تعدی (زیادتی) کی، اگر اس کو وفاق کی طرف لوٹالیا، یعنی اس تعدی کو زائل کر کے سامان مستعار کو پہلی حالت یا اس سے اچھی حالت پر لوٹالیا تب بھی جو ضمان ثابت ہوا تھا وہ زائل نہ ہوگا، اگر وہ سامان ہلاک ہو جائے تو پیش آمدہ تعدی کی بنا پر ضمان لازم ہوگا، برخلاف سامان ودیعت کے کہ اس میں تعدی کا زائل ہونا ضمان کو ساقط کر دیتا ہے، جیسا کہ ودیعت کے بیان میں ضابطہ نمبر ۴۰۵ میں گذر چکا۔

۴۱۵- **ضابطہ**: لڑکی کے جہیز کے عاریت یا ہبہ ہونے میں عرف کا اعتبار ہوگا، مگر یہ کہ عرف مختلف ہو۔ (۱)

تشریح: باپ نے لڑکی کو جہیز دیدیا، پھر بعد میں کہتا ہے کہ میں نے اس کو عاریت پر دیا تھا تو اس میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر عرف میں اس قدر جہیز ہبہ کے طور پر دیا جاتا ہو تو ہبہ ہے، باپ کی بات کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ ظاہر اس کے خلاف ہے اور اگر عاریت کا رواج ہو یا عرف اس سلسلہ میں مختلف ہو تو پھر باپ کی بات کا اعتبار ہوگا (جیسا کہ عرف میں جہیز کی جو مقدار مروج ہو اس سے زائد اگر جہیز دیا تو اس زائد میں بالاتفاق مطلقاً باپ کا قول معتبر ہوگا) (۲)

تنبیہ: یاد رہے مذکور حکم جہیز دے چکنے کے بعد کا ہے، اگر دیتے وقت باپ نے ہبہ یا عاریت ہونے کی صراحت کی تو جس چیز کی صراحت کرے گا اس کا اعتبار ہوگا،

---

(۱) (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/ ۴۸۵)

(۲) جهز إبنته بما يجهز به مثلها ثم قال كنت أعرتها الأمتعة، إن العرف مستمراً بين الناس أن الأب يدفع ذالك الجهاز ملكاً لا إعارة لا يقبل قوله إنه إعارة، لأن الظاهر يكذبه وإن لم يكن العرف كذالك أو تارة تارة فالقول له به يفتى، كما لو كان أكثر مما يجهز به مثلها فإن القول له اتفاقاً. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/ ۴۸۵)

کیونکہ نص (صراحت) عرف سے قوی ہے۔

۴۱۶- **ضابطہ**: عاریت ودیعت کے مثل ہے کہ اس کو نہ اجرت پر دیا جا سکتا ہے اور نہ رھن رکھا جا سکتا ہے۔

(البتہ ودیعت اور عاریت میں یہ فرق ہے کہ ودیعت کو ودیعت نہیں رکھا جا سکتا ہے اور نہ عاریت؛ برخلاف عاریت کے کہ اس میں یہ دو چیزیں جائز ہیں)[1]
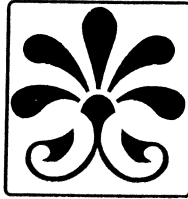
(۱)ولاتوجر ولاترهن......كالوديعة فإنها لاتوجر ولاترهن بل ولاتودع ولاتعاربخلاف العارية على المختار.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٨/٤٧٦)

کتاب الھبة

۴۱۷- **ضابطہ**: ہدیہ میں فی الفور مالک بنانا ضروری ہے۔ [۱]

تفریع: پس اگر کہا فلاں وقت آنے پر میں نے تمہیں ہبہ کیا، یا فلاں شخص جب آجائے تو تم کو یہ چیز ہدیہ ہے، یا میرے مرنے کے بعد ہدیہ ہے تو ایسا ہدیہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ان میں فی الفور مالک نہیں بنایا گیا۔ [۲]

اسی بنا پر (یعنی ہبہ میں فی الحال تملیک ضروری ہے اس لئے) اس میں خیار شرط صحیح نہیں، پس اگر موہوب لہ کو تین دن کا اختیار دیا گیا کہ پسند آئے تو رکھے ورنہ نہیں تو اگر مجلس میں قبضہ پایا گیا تو فوری طور پر ہدیہ ثابت ہو جائے گا اور خیار باطل ہوگا۔

براءت کا بھی یہی حکم ہے، یعنی مقروض کو بری کیا اس شرط کے ساتھ کہ بری کرنے والے کو تین دن کا اختیار ہے تو وہ فی الحال بری ہو جائے گا اور اختیار باطل ہوگا۔ [۳]

۴۱۸- **ضابطہ**: واہب (ہدیہ کرنے والے) کے لئے ضروری ہے کہ وہ تبرع کا حق رکھتا ہو۔

تفریع: پس نابالغ اور پاگل کا ہدیہ صحیح نہیں ہے؛ ان کا ولی بھی ان کی طرف سے

---

(۱) هي تمليك عين بلاعوض (ملتقى الأبحر) المراد بالتمليك هو التمليك في الحال. (مجمع الأنهر: ۳/۴۸۹-۴۹۰) (۲) (هنديه: ۴/۳۷۴)

(۳)......وعدم صحة خيار الشرط فيها، فلو شرطه صحت إن اختارها قبل تفرقهما وكذا لو أبرأه صح الإبراء وبطل الشرط. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/۴۹۰)

ہدیہ نہیں کرسکتا، کیونکہ ولی کو بھی ان کے مال میں تبرع کا حق نہیں۔ (۱)

۴۱۹- **ضابطہ**: غیر مسلم کا ہدیہ جبکہ موہوب لہ کے تعظیم کے طور پر ہو اور اس میں کوئی دینی ضرر نہ ہو جائز ہے۔ (۲)

تفریع: پس غیر مسلم اپنی دیوالی وغیرہ تہوار میں جو مسلمانوں کو ہدیہ دیتے ہیں ان کا لینا جائز ہے، بشرطیکہ مسلمانوں کو اپنے تہوار میں ان کو دینا صراحتاً یا عرفاً شرط نہ ہو۔

اسی طرح اگر غیر مسلم مسجد یا مدرسہ میں چندہ دیں تو اس کا لینا جائز ہے، جبکہ اس میں کوئی دینی ضرر نہ ہو مثلاً لینے میں ان کے احسان جتلانے کا یا بعد میں ان کے مندر وغیرہ میں بھی دینا پڑے گا ایسا اندیشہ نہ ہو۔

۴۲۰- **ضابطہ**: نابالغ بچوں کے لئے آئے ہوئے ہدایا انہیں کے نفقات ضروریہ (یعنی ان کے کھانے پینے، لباس، تعلیم وغیرہ) میں صرف کئے جاسکتے ہیں، خواہ باپ مالدار ہو یا فقیر۔ (۳)

۴۲۱- **ضابطہ**: تبرع قبضہ کے بعد ہی مکمل ہوتا ہے (اس سے قبل ناقص ہے) (۴)

تفریع: پس اگر باپ نے اپنی کسی لڑکے یا لڑکی کو مثلاً کہا کہ یہ گھر میں نے تم کو ہدیہ کردیا، اور اس پر گواہ بھی بنالیا یہاں تک اس کے نام پر بھی کردیا، لیکن قبضہ نہیں دیا تو ہدیہ تام نہیں ہوا، باپ کے مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی، اور دوسرے

---

(۱) وشرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ والملك ......الخ (مجمع الأنهر : ۴۹۱/۳) فأماهبة الصغير للكبير فهی غير جائزة ولاهی موقوفة علی الإجازة. (النتف والفتاویٰ: ۳۱۵)　(۲) (امداد الفتاویٰ: ۴۸۲/۳)

(۳) الثانی أن يكون الأب غنياً وهم صغار، فإما أن يكون لهم مال أولا......وإن كالهم مال فإماحاضر أو غائب فإن كان حاضرا فنفقتهم فی مالهم لايجب علی الأب شیء منها. (فتح القدير: ۴/ ۳۷۱)

(۴) لايتم التبرع الابالقبض. (قواعد الفقه ص: ۱۰۸، قاعدہ: ۲۶۲)

ورثاء کا بھی حق ہوگا۔[۱]

فائدہ: قبضہ یہ ہے کہ: دینے والا اپنا قبضہ ہٹا کر اس طرح سپرد کردے: کہ لینے والے کے لئے کوئی مانع نہ رہے۔[۲]

اور ہر چیز کا قبضہ اس شئی کے مناسب ہوتا ہے، مثلاً گھر کا قبضہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا اپنا سامان خالی کر کے اس کے حوالہ کردے اور اپنا قبضہ ہٹالے، اگر سامان خالی نہیں کیا تو ہدیہ صحیح نہ ہوگا۔[۳] (بعض لوگ صرف زبانی یا کاغذی کاروائی کر لیتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ قانوناً تو کافی ہو لیکن شرعاً کافی نہیں)[۴]

لیکن اگر واہب کو اس گھر میں رہنا بھی ہو اور سامان خالی کرنا مشکل ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ: سامان موہوب لہ کو عاریت پر دیدے، پھر گھر ہدیہ کردے۔ اس کے بعد موہوب لہ واہب کو گھر عاریت پر دیدے، کہ آپ اتنے وقت تک یا زندگی بھر اس میں رہئے اور اس سے فائدہ اٹھائیے میری طرف سے اجازت ہے۔[۵]

۴۲۲- **ضابطہ**: شئی موہوب جب واہب کی ملک سے اتصال خلقی کے ساتھ متصل ہو تو جب تک کہ اس کو الگ کر کے سپرد نہ کیا جائے اس کا ہدیہ درست نہیں (جیسے

---

(۱)لاتجوز الهبة إلا مقبوضة.(مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱)

(۲)ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلامانع. (الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۷/ ۹۴-۹۶، كتاب البيوع)

(۳)فلو وهب جراباً فيه طعام الواهب أو داراً فيها متاعه أو دابة عليها سرجه وسلمها كذالك لاتصح.(الدرالمختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۴۹۴، كتاب الهبة) (۴)(محموديه: ۱۶/ ۴۷۱)

(۵)وفي الجوهرة: وحيلة هبة المشغول أن يودع الشاغل أولاً عند الموهوب له ثم يسلمه الدار مثلاً فتصح لشغلها بمتاع في يده.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۴۹۵)

تھنوں میں دودھ کا ہدیہ، یا زمین میں لگی کھیتی یا درخت پر لٹکے پھل کا ہدیہ درست نہیں، اسی طرح زمین کا ہدیہ جس میں واہب کی کھیتی ہو یا درخت کا ہدیہ جس میں اس کے پھل ہوں صحیح نہیں)

اور اگر اتصال مجاوری ہو (یعنی خلقی نہ ہو) تو اگر واہب کے حق کے ساتھ مشغول ہو تو جائز نہیں؛ شاغل ہو تو جائز ہے (جیسے گھر کا ہدیہ جس میں واہب کا سامان ہو، یا ایسے تھیلے یا برتن کا ہدیہ جس میں واہب کا غلہ ہو بوجہ مشغول کے جائز نہیں، لیکن برعکس صورت :یعنی سامان کا ہدیہ جو واہب کے گھر میں ہو، یا غلہ کا ہدیہ جو واہب کے برتن یا تھیلے میں ہو درست ہے، کیونکہ یہاں موہوب لہ غیر کے ساتھ شاغل ہے مشغول نہیں)[1]

استثناء: اگر باپ اپنے صغیر بیٹے کو گھر وغیرہ ہدیہ کرے، جس میں اس کا (یعنی باپ کا) سامان بھی ہوتو - یہ اگر چہ مشغول کا ہدیہ ہے مگر - درست ہے (یہ صورت مستثنیٰ ہے) کیونکہ ہدیہ میں گھر کا قابض بیٹے کی جانب سے باپ ہی ہوگا تو مشغول ہونا قابض کے سامان کے ساتھ ہوا، اور اس میں حرج نہیں۔[2]

(۱)واعلم أن الضابط فى هذا المقام أن الموهب إذا اتصل بملك الواهب اتصال خلقة وأمكن فصله لاتجوز هبته مالم يوجد الانفصال والتسليم ، كماإذا وهب الزرع أو الثمر بدون الأرض والشجر أو بالعكس،وإن اتصل اتصال مجاورة :فإن كان الموهوب مشغولا بحق الواهب لم يجز كما......لووهب داراً دون مافيها من متاعه لم يجز،وإن وهب مافيها وسلمه دونها جاز.(شامى :۴۹۳/۸)والأصل أن الموهوب إن مشغولا بملك الواهب مع تمامها وإن شاغلاً لا (الدرالمختار):وفى الشامية : أقول هذا ليس على اطلاقه فإن الزرع والشجر فى الأرض شاغلاً لامشغول. الخ (شامى :۴۹۳/۸)

(۲)(إلا إذا وهب)كأن وهبه دارا والأب ساكنها أو له فيهامتاع لأنها مشغولة بمتاع القابض.(شامى:۴۹۴/۸)

۴۲۳-**ضابطہ**:مشترک چیز کا ہبہ قابل تقسیم چیز میں درست نہیں، نا قابل تقسیم میں درست ہے۔(۱)

جیسے زمین، مکان وغیرہ جو قابل تقسیم ہو اگر چند لوگوں میں مشترک ہو تو واہب جب تک اپنا حصہ الگ نہ کرے، ہدیہ کرنا درست نہیں، کیونکہ مشترک کا ہبہ قابل تقسیم چیز میں درست نہیں۔

اور نا قابل تقسیم چیز جیسے حمام، مٹکہ، چارپائی وغیرہ اگر چہ مشترک ہو تو اس میں سے اپنے حصہ کا ہدیہ درست ہے۔

۴۲۴-**ضابطہ**:ہدیہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا (شرط خود باطل ہو جاتی ہے)(۲)

جیسے جانور کو ہدیہ کیا اور شرط لگائی کہ اس پر سوار نہ ہونا، یا اس کو فلاں قسم کا چارہ کھلانا، یا اس کا جو بچہ پیدا ہوگا وہ میرا ہوگا، یا جیسے گھر ہدیہ کیا اور شرط لگائی کہ اس کو بیچنے کی اجازت نہیں، یا فلاں شخص اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے، یا فلاں کو کرایہ پر نہیں دینا ہے وغیرہ......تو یہ سب شرطیں باطل ہیں اور ہدیہ درست ہے۔(۳)

۴۲۵-**ضابطہ**:جہاں حروف: ”دمع خزقة“ میں سے کوئی صورت پائی جائے

---

(۱)ولاتجوز الهبة فيما يقسم إلا محوزة مقسومة وكذا الصدقة ويجوز فيما لايقسم ولافرق في ذالك بين شريكه وغيره يعني إذا وهب من شريكه لايجوز. (الجوهرة النيرة : ۱/۴۱۸–هنديه : ۴/۳۷۶)

(۲)وأنها لاتبطل بالشروط الفاسدة.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/۴۹۰)

(۳)ومن وهب أمة إلا حملها أوعلى أن يردها عليه أو يعتقها أو يستولدها صحت الهبة وبطل الإستثناء والشرط، وكذا لو وهب داراً على أن يردعليه بعضها......الخ (ملتقى الأبحرعلى هامش مجمع الأنهر : ۳/۵۰۶)

وہاں ہدیہ میں رجوع جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: "دمع خزقة" یہ مجموعہ سات صورتوں کا مخفف ہے، جس کو فقہاء نے آسانی کے لئے تیار کیا ہے، ان میں سے ہر حرف ایک خاص صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

"د" سے مراد "زیادة متصلة" ہے یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے وہ موہوبہ سامان میں ایسی زیادتی کرے جو اس سے متصل ہو جیسے زمین میں مکان بنالیا یا درخت لگالیا، یا کپڑے کو سی لیا، یا ستو میں گھی ملالیا وغیرہ تو اب رجوع صحیح نہیں (لیکن اگر زیادتی منفصل ہو جیسے جانور کو بچہ پیدا ہوا تو یہ رجوع میں مانع نہیں۔ اسی طرح بجائے اضافہ کے نقص پیدا ہو جائے تو وہ بھی مانع نہیں) (۲)

"م" سے مراد: "موت" ہے، یعنی واہب یا موہوب لہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت واقع ہونا، اس سے رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (۳)

"ع" سے مراد "ہبہ بالعوض" ہے، جیسے واہب کہے کہ میں ہبہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے فلاں چیز دو، یا موہوب لہ کہے کہ تم نے مجھے فلاں چیز دی تھی اس کے عوض میں یہ ہبہ کرتا ہوں تو یہ ہبہ بالعوض ہے اس میں واہب کو رجوع کا حق نہیں رہتا

---

(۱)يصح الرجوع كلاً أو بعضاً ويكره ويمنع منه "دمع خزقة". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۹)

(۲)فالدال الزيادة المتصلة كاالبناء والغرس والسمن لاالمنفصلة(ملتقى الأبحر)وفي المجمع : (لاالمنفصلة) كالولد والإرش والعقر فإنه يرجع في الأصل دون الزيادة قيد بالزيادة لأن النقصان كالحبل وقطع الثوب بفعل الموهوب أولا غير مانع. (مجمع الأنهر : ۳/ ۵۰۱)

(۳)والميم موت أحد العاقدين .(ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۵۰۰)

(خیال رہے کہ ہبہ بالعوض میں زبان سے عوض یا بدلہ یا اس قسم کا لفظ ضروری ہے جس سے واہب یہ سمجھے کہ یہ اس کے ہدیہ کا عوض ہے، اگر ایسے ہی موہوب لہ نے واہب کو کوئی چیز دی تو وہ چیز عوض میں شمار نہ ہوگی، اور اس ہدیہ کو ہبہ بالعوض نہ کہیں گے، پس اس صورت میں ہر ایک کو اپنے ہبہ میں رجوع کا حق ہوگا)[1]

''خ'' سے مراد ''خروج عن ملک الموہوب لہ'' یعنی جس کو ہدیہ کیا گیا ہے اس کے ملک میں وہ چیز باقی نہ رہی ہو، بلکہ اس نے کسی اور کو ہبہ کر دیا ہو یا اس کو بیچ دیا ہو تو اب رجوع کا حق نہیں رہا۔[2]

''ز'' سے مراد ''رشتۂ زوجیت'' ہے، پس شوہر نے بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو ہبہ کیا تو اس ہدیہ میں رجوع کا حق نہیں۔[3]

''ق'' سے مراد ''قرابت'' ہے، یعنی ذی رحم محرم رشتہ دار۔ پس ان کو ہبہ کی ہوئی چیز میں رجوع کا حق نہیں (اور اگر صرف محرم رشتہ دار ہوں ذی رحم نہ ہوں جیسے ساس، سوتیلی اولاد اور رضاعی رشتہ دار؛ یا صرف ذی رحم ہوں محرم نہ ہوں جیسے چچا یا خالا کا لڑکا تو ان سے رجوع کیا جا سکتا ہے)[4]

''ہ'' سے مراد ''ہلاک الموہوب'' ہے، یعنی ہدیہ کی ہوئی چیز کا ہلاک اور ضائع ہو جانا، کہ اب اس میں رجوع کی گنجائش نہیں۔[5]

---

(۱)والعين العوض بشرط أن يذكر لفظاً يعلم الواهب أنه عوض كل هبته فإن قال خذه عوض هبتك أو بدلهاأو فى مقابلتهاونحو ذالك فقبضه الواهب سقط الرجوع ،ولو لم يذكر أنه عوض رجع كل بهبته.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۵۰۸)(۲)والخاء الخروج عن ملك الموهوب له.(ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر:۳/۵۰۲)(۳)والزاى الزوجية وقت الهبة(الحوالة السابقة)(۴)والقاف القرابة فلا رجوع فيما وهب لذى رحم محرم(ملتقى الأبحر) وإن وهب لمحرم بلا رحم كأخيه من الرضاع وأمهات ←

انتباہ: اور جہاں مذکور صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے وہاں اگرچہ ہدیہ میں رجوع کی گنجائش ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ دیا گیا ہو۔ (۱) مگر بہرحال رجوع کرنا مکروہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے، ہبہ کے بعد رجوع کرنے والا اس کتے کے مانند ہے جو قی کر کے اس کو چاٹ لے۔ (۲)

پھر رجوع کی اجازت بھی مطلقاً نہیں ہے، بلکہ اس میں تراضی طرفین یا قضاء قاضی ضروری ہے۔ (۳)

نوٹ: ہدیہ سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔
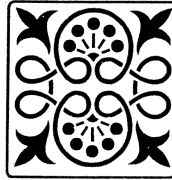
← النساء والربائب وأزواج البنين والبنات لايمنع الرجوع،وقيد بالمحرم لأن الرحم بلامحرم كابن عمه لايمنع الرجوع.(مجمع الأنهر:۳/۵۰۳)

(۵)والهاء هلاك الموهوب فإنه مانع من الرجوع .(الحوالة السابقة)

(۱)(ابن ماجه: ۱/ ۱۷۲)

(۲)(مسلم: ۲/۳٦) صح الرجوع فيها بعد القبض...مع انتفاء مانعه الآتي وإن كره الرجوع تحريماً وقيل تنزيها.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۵۰٤)

(۳) ينفرد الواهب فى الرجوع قبل القبض وبعد القبض لايرجع إلا بقضاء أو رضا.(خانيةعلى هامش الهندية:۳/ ۲۷۵)

نفلی صدقہ کا بیان

۴۲۶-**ضابطہ**: صدقہ کی صحت کے لئے متصدق علیہ کا قبول کرنا شرط نہیں (برخلاف ہبہ کے کہ اس میں موہوب لہ کا قبول کرنا شرط ہے)[1]

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی چیز گم ہوگئی اور اس میں صدقہ کی نیت کرلی تو صحیح ہے، اگرچہ پانے والے کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا (پھر اس کے بعد اگر وہ چیز مل جائے تو اس کا لینا جائز نہ ہوگا، خواہ وہ شخص غریب ہو یا مالدار، کیونکہ صدقہ میں رجوع جائز نہیں، اگرچہ مالدار کو کیا جائے، اور نفلی صدقہ مالدار کو بھی کرنا درست ہے)[2]

(۲) کسی کو صدقہ کی نیت سے کوئی چیز دی لیکن لینے والے نے اس کو ہبہ یا ودیعت یا عاریت سمجھ کرلیا تب بھی صدقہ تام ہوگیا اب اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ صدقہ میں قبول شرط نہیں، محض دینے والے کی نیت کافی ہے۔[3]

۴۲۷-**ضابطہ**: اگر کہا میرا سب مال صدقہ ہے تو ان تمام مال کا صدقہ لازم

---

(۱) الهبة لاتصح إلا بقبول بالقول واستحسن فی صحة الصدقة من غير قبول بالقول. (هندیه: ۴/۴۰۶)

(۲) ویستوی أن تصدق علی غنی أو فقیر فی أنه لارجوع فیها. (هندیه، ۴/۴۰۶)

(۳) ولو دفع إلی رجل ثوباً بنية الصدقة فأخذه المدفوع إليه ظاناً أنه وديعة أو عارية فرده علی الدافع لايحل للدافع أخذه لأنه قد زال عن ملكه حين قبضه الرجل فإن أخذه لزمه رده (هندیه، ۴/۴۰۶)

ہوگا جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے یعنی سونا، چاندی، پیسے، سائمہ جانور اور تجارتی مال۔ خواہ وہ مال نصاب کو پہنچا ہو یا نہ ہو اور خواہ اس شخص پر دین مستغرق ہو یا کوئی دین نہ ہو۔ اور جس مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اس کا صدقہ لازم نہ ہوگا۔[۱]

تشریح: یہ استحسان ہے اور یہی راجح ہے (اور قیاس یہ ہے کہ اس صورت میں سارا مال صدقہ کرنا لازم ہو)

پس اگر ایسے شخص پر دین ہو اور اس نے اس مال کے ذریعہ دین ادا کیا تو جس قدر مال دین میں صرف کیا اس کا صدقہ اس کے ذمہ لازم رہے گا۔[۲]

۴۲۸- **ضابطہ**: صدقہ اور ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتے (شرط خود باطل ہو جاتی ہے)[۳]

تفریع: پس اگر کسی کو کہا میں نے ایک ہزار کا ہدیہ کیا یا صدقہ کیا اس شرط پر کہ تم میرا فلاں کام کرو گے تو ہدیہ وصدقہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے، اس شخص کے ذمہ وہ کام لازم نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر غریب کو کہا میں نے آم کا درخت ہدیہ کیا یا صدقہ کیا اس شرط پر کہ اس

---

(۱)ومن قال مالي أو ماأملك في المساكين صدقة فهو على مال الزكوة ويدخل فيه جنس مايجب فيه الزكوة وهي السوائم والنقدان وعروض التجارة سواء بلغت نصاباً أو لم تبلغ قدر النصاب وسواء كان عليه دين مستغرق أو لم يكن عليه دين...... ومن مشائخنا من قال في قوله ماأملك أو جميع ماأملك في المساكين صدقة يجب عليه أن يتصدق بجميع مايملك قياساً واستحساناً......والصحيح هوالأول لأنهما يستعملان استعمالاً واحداً كذافي التبيين .(هنديه: ٤٠٧/٤)

(۲)......ولو كان عليه دين محيط بماله يلزمه التصدق بمثله.(تاتارخانيه: ٢٦٧/٣، مسئله : ٤٣٣٠)

(۳)ومالا يبطل بالشروط ......الطلاق والهبة والصدقة.(هنديه: ٤٠٧/٤)

کے نصف پھل مجھے دیتے رہنا تو ہدیہ وصدقہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے، اور اس غریب کے ذمہ نصف پھل دینا ضروری نہ ہوگا۔ (۱)

۴۲۹- **ضابطہ**: فقیر کو ہدیہ کرنا حکماً صدقہ ہے۔

تفریع: پس فقیر سے ہدیہ کا رجوع جائز نہ ہوگا، کیونکہ وہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں، اسی طرح اس ہدیہ میں ایصال ثواب کی نیت کرے تو درست ہے، کیونکہ وہ درحقیقت صدقہ ہے (غرض فقیر کو ہدیہ کرنے میں صدقہ کے احکام جاری ہوں گے)

استدراک: ضابطہ کا دوسرا جزو ہے "غنی کو صدقہ کا کرنا حکماً ہدیہ ہے" لیکن اس کو اس لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ اس میں دو روایتیں ہیں ترجیحی روایت اس کے خلاف ہے ـــــ یعنی راجح یہ ہے کہ غنی کو صدقہ حکماً صدقہ ہی ہے، پس غنی کو صدقہ کرنے میں وہی سب احکام جاری ہوں گے جو فقیر کو صدقہ کرنے میں ہیں۔ (۲)

۴۳۰- **ضابطہ**: پیشہ ور مانگنے والے جن کا حال معلوم نہ ہو ان کو صدقہ دینے میں غالب گمان کا اعتبار ہوگا، اگر (قرائن سے) غالب گمان ان کے محتاج ہونے کا ہے تو دینے میں حرج نہیں، اور اگر مالدار ہونے کا ہے تو دینا مکروہ ہے۔ (۳)

---

(۱) لو كان الموهوب كرماً وشرط أن ينفق عليه من ثمرة تصح الهبة ويبطل الشرط .(هنديه: ۳۹۶/٤)

(۲)(لعلهما قولان)فی التتمة عن المنتقی لارجوع فی الصدقة وإن كانت علی الغنی استحساناً لأن التنصيص علی الصدقة دليل علی أن غرضه الثواب والصدقة علی الغنی قد تكون سبباً للثواب بأن كان له نصاب وله عيال لايكفيه اھ ومقتضی كونه استحساناً ترجيحه علی القول بأن الصدقة علی الغنی هبة تأمل.(تقريرات الرافعي علی الشامي:۲۵۵/۸)

(۳)وسئل بعضهم عن التصدق علی المكدين الذين يسألون الناس ←

تشریح: کیونکہ جب مالدار ہے تو ان کے لئے سوال حرام ہے، تو دینے میں اعانت علی المعصیت لازم آئے گی۔

استدراک: اعانت علی المعصیت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان کو دینا مکروہ نہیں بلکہ حرام ہونا چاہئے، جیسا کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے، لیکن چونکہ ایک روایت کے مطابق مالدار کو صدقہ دینا ہدیہ کے حکم میں ہوتا ہے، نیز اس میں معصیت کی ابتداء ان مانگنے والوں کی طرف سے ہے اس لئے بالکل حرام نہیں کہیں گے، البتہ کراہت ضرور آئے گی۔ (۱)

نوٹ: واضح رہے یہ نفلی صدقہ کی بات ہے، واجب صدقہ، جیسے زکوۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ ایسے مالدار پیشہ وروں کو (یعنی جن کے متعلق مالدار ہونے کا غالب گمان ہے) دینا بالکل جائز نہیں، اگر دیا تو ادا نہ ہوگا۔

← الحافاویأکلون اسرافاً قال مالم یظهر لك أن ماتتصدق علیه ینفق فی المعصیة أو هو غنی لابأس بالتصدق علیه وهو مأجور بما نوی من سد خلته كذا فی الحاوی .(هندیه: ٤/٨ ٠ ٤)

(۱)(مستفاد:شامی :٣/٦ ٠ ٣)

الخرائط الثمينة فی المسائل الفقهیة المهمة

یعنی

اہم فقہی مسائل کے قیمتی شجرات

شجرہ (۱): بیع کی اقسام باعتبار انعقاد
بیع
جائز
ناجائز
نافذ
موقوف
جو رکن، وصف ہر لحاظ سے صحیح ہو اور مبیع سے کسی کا حق متعلق نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:
جس میں مبیع سے کسی کا حق متعلق ہو، جیسے نابالغ و ناسمجھ بچہ نے بیع کی تو وہ اس کے باپ کی اجازت پر موقوف ہوگی کیونکہ باپ کا بحیثیت ولی اس کے مال سے حق متعلق ہے۔
لازم
غیر لازم
عاقدین میں سے کسی کو کسی قسم کا خیار نہ ہو
جس میں خیار شرط یا خیار رویت وغیرہ موجود ہو تو جب تک خیار ختم ہو کر عقد پختہ نہ ہو بیع غیر لازم ہوگی
مکروہ
باطل
فاسد
جو رکن و شرائط کے لحاظ سے تو صحیح ہو لیکن کسی خارجی چیز کی بنا پر ناپسندیدہ ہو جیسے کسی کے سودے پر سودا کرنا، یا مسجد میں یا جمعہ کی اذان کے بعد بیع کرنا
جس کے رکن یعنی ایجاب وقبول میں فساد ہو، یا تو وہ غیر اہل سے صادر ہو جیسے ناسمجھ بچہ کی بیع یا غیر محل میں صادر ہو جیسے سور کی یا شراب کی بیع، کہ اسلام میں یہ بیع کا محل نہیں۔
جو رکن میں تو صحیح ہو لیکن دوسری وجہ سے فساد آیا ہو جیسے بائع یا مشتری نے کوئی ایسی شرط لگائی جس میں اس کا فائدہ ہے (لیکن جو شرط مروج ہو اس میں حرج نہیں تفصیل "بیع میں شرط کا بیان" میں ہے)
نوٹ: بیع فاسد اور باطل کا حکم کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔
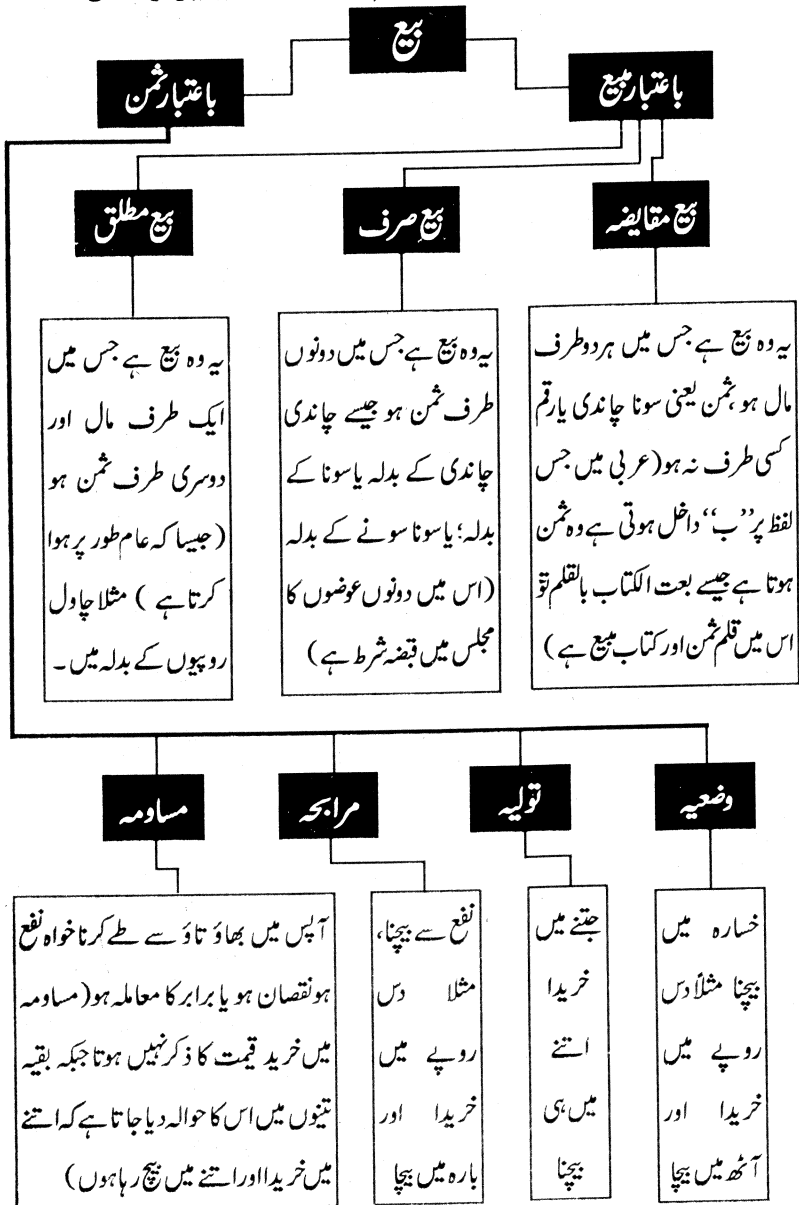
فائدہ: ''بیع صرف'' ثمن خلقیہ میں جاری ہوتی ہے ثمن اعتباریہ میں نہیں، تفصیل کتاب میں ہے۔
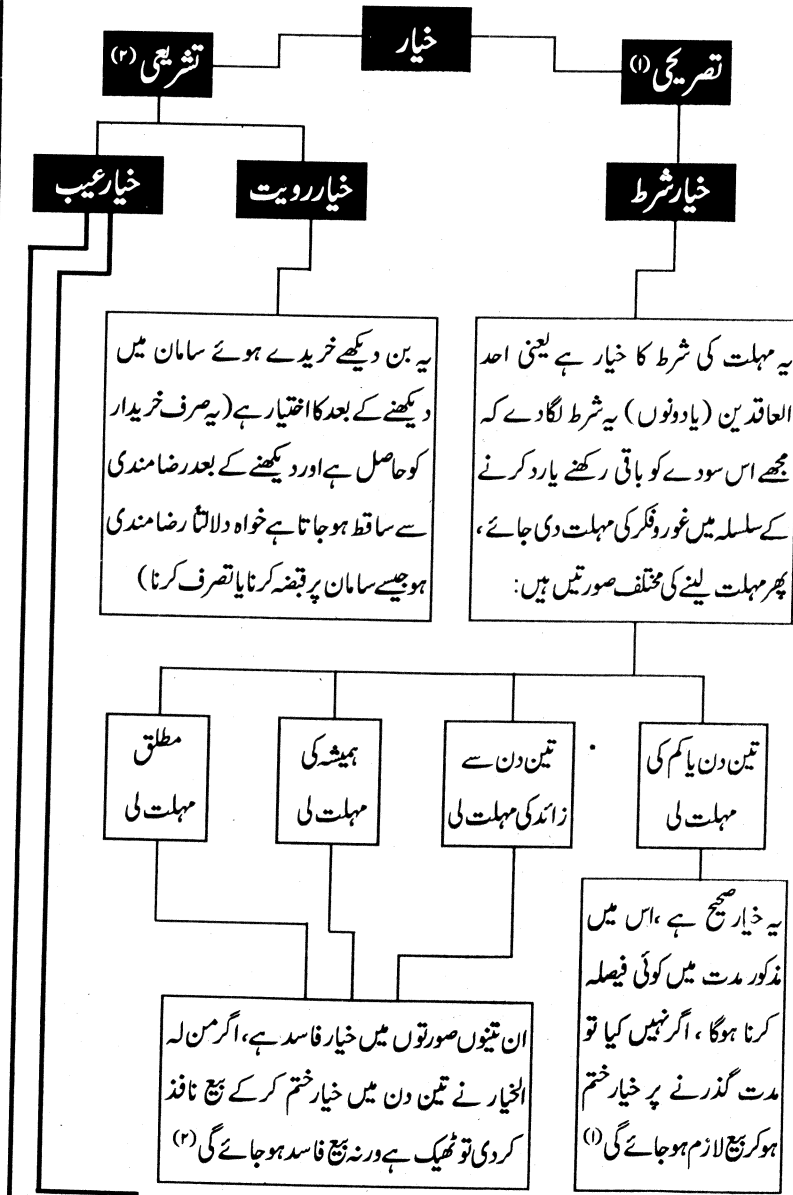
حاشیہ: ۱-۲ ''تصریحی'' کا مطلب جو عاقدین کی صراحت سے حاصل ہو اور ''تشریعی'' سے مراد جو من جانب شریعت ہو خواہ صراحت کرے یا نہ کرے۔

پیچھے صفحہ کا
تعریف
یہ مبیع میں عیب نکل آنے پر سودے کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے (یہ بلا کسی شرط کے ثابت ہوتا ہے اور اس میں کوئی مدت مقرر نہیں (۳))
شرائط
حصول خیار کے شرائط
بیع کے وقت یا قبضہ کے وقت اس میں عیب موجود ہو (اگر پہلے عیب تھا اور قبضہ کے وقت نہیں رہا، یا قبضہ کے بعد پیدا ہوا تو اس میں خیار نہیں) (۴)
بائع کے پاس جو عیب تھا اور مشتری کے پاس جو ظاہر ہوا دونوں کا سبب ایک ہو۔
مشتری خریدتے وقت اس عیب سے واقف نہ ہو۔ (۵)
بائع نے برأت کی شرط نہ لگائی ہو (یعنی عیب نکل آیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں یہ نہ کہا ہو) (۶)
بقاء خیار کے شرائط
عیب سے واقف ہونے کے بعد اس پر صراحتاً یا دلالتاً رضامندی ظاہر نہ کی ہو، دلالتاً جیسے سامان میں تصرف کرنا (۸)
سامان موجود ہو، اس کو بیچا یا ہدیہ نہ کیا ہو اور نہ ضائع کیا ہو (البتہ اگر خود ضائع ہوا ہو تو عیب کا ہرجانہ وصول کیا جا سکتا ہے) (۹)
خریدنے کے بعد اس کے یہاں کوئی نیا عیب پیدا نہ ہوا ہو (لیکن اس میں – اور بعد والی صورت میں – صرف مبیع کی واپسی کا خیار ختم ہوتا ہے ہرجانہ وصول کر سکتا ہے) (۱۰)
خریدنے کے بعد مبیع میں کوئی اضافہ نہ کیا ہو یا نہ ہوا ہو، جیسے کپڑے کو رنگنا، جانور کو بچہ پیدا ہونا یا درخت کو پھل آنا وغیرہ (البتہ عمر کا اضافہ یا موٹاپا وغیرہ میں حرج نہیں، خیار باقی رہے گا) (۱۱)
نوٹ: مسائل شجرہ کے حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں

شجرہ (۴): شرائط بیع سلم
شرائط
عقد (یعنی معاملہ) سے متعلق
رأس المال (یعنی ثمن) سے متعلق
مسلم فیہ (یعنی مبیع) سے متعلق
بیع لازم ہو، اس میں کسی قسم کا خیار نہ ہو
جنس بیان کردی گئی ہو، کہ رأس المال روپے ہوں گے یا اناج وغیرہ۔
نوع بیان کردی گئی ہو مثلا باسمتی چاول
صفت (یعنی اعلی یا ادنی) بتلادی گئی ہو
مکیلی، موزونی اور عدد متقاربہ جیسے انڈا وغیرہ میں مقدار بھی بیان کردی گئی ہو (عدد متفاوتہ جانور وغیرہ میں اشارہ کافی ہے)
رأس المال پر مجلس ہی میں قبضہ ہو (ورنہ دونوں عوض ادھار ہوکر بیع الکالی بالکالی ہوجائے گی جو ممنوع ہے)
جنس مثلاً چاول ہے یا گیہوں متعین ہو
نوع مثلاً باسمتی چاول وغیرہ متعین ہو
صفت یعنی اعلی یا ادنی یا اوسط متعین ہو
مقدار متعین ہو
مسلم فیہ نقد نہ ہو، بلکہ ادھار ہو
ایسی چیز سے مقدار متعین نہ کی گئی ہو جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو (مثلاً کسی خاص برتن وغیرہ سے)
سامان ادا کرنے کی مدت متعین ہو
سامان کی منتقلی میں اگر اخراجات ہوں تو پہنچانے کی جگہ بھی متعین ہو
جس سامان پر عقد ہوا ہے وہ عقد سے لے کر ادائیگی تک بازار میں دستیاب ہو
مستفاد: بدائع: ۴/ ۴۴۶ – شامی: ۷/ ۴۵۹ – البحر: ۶/ ۴۲۶

فائدہ: قدر سے مراد کیلی یا وزنی ہونا ہے، پس جانور، زمین، کپڑا وغیرہ میں قدر نہیں اور جنس سے مراد جن کی اصل بھی ایک ہو اور مقصود بھی ایک، جیسے گیہوں گیہوں کے عوض، پس جن کی اصل الگ الگ ہو جیسے گائے کا گوشت اور بکرے کا گوشت، یا مقصود الگ ہو جیسے بکری کے بال اور دنبہ کا اون تو وہ الگ الگ جنس متصور ہوگی (۵)

☆قدریت کیلئے ضروری ہے کہ دونوں وزنی ہوں یا دونوں کیلی، ایک وزنی اور دوسرا کیلی ہو تو ان میں قدریت شمار نہ ہوگی (۶)

نوٹ: حوالجات کتاب میں ''باب الربا'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۶): اجارہ کا بیان
اجارہ
صحیحہ
فاسدہ
باطلہ
وہ اجارہ ہے جو فریقین کی رضامندی سے ہو اور اس میں کوئی ناجائز امر نہ ہو جیسے خلاف عرف چیز کا اجارہ، ناجائز و حرام چیز کا اجارہ یا ناممکن یا غیر مقبوض چیز کا اجارہ۔
وہ اجارہ ہے جو فی نفسہ جائز ہو لیکن خارجی امر پیش آنے سے اس میں فساد آگیا ہو مثلاً مالک نے یہ شرط لگائی کہ یہ مکان آج سے کرایہ پر دیا لیکن دس دن میں اس میں رہوں گا۔
اس چیز کا اجارہ جو شرعاً ناجائز ہو یا اس پر اجرت لینا ناجائز ہو، جیسے ناچ گانے پر اجرت طے کرنا، یا مندر کیلئے زمین اجرت پر دینا، یا جیسے نر جانور کا مادہ سے جفتی کی اجرت وصول کرنا
لازمہ
غیر لازمہ
حکم
حکم
جس میں معاملہ ختم کرنے کا کوئی خیار نہ ہو اور نہ بعد عقد ایسا عیب ظاہر ہو کہ مستاجر کیلئے استفادہ مشکل ہو
جس میں کوئی خیار ثابت ہو
ایسے عقد کو فسخ کرنا لازم ہے لیکن اگر فسخ نہیں کیا اور مستاجر نے فائدہ اٹھالیا تو اجرت مثل واجب ہوگی (۱)
حکم
اس میں عقد کی پختگی من لہ الخیار پر موقوف ہوگی۔
حکم
یہ عقد سرے سے صحیح ہی نہیں اس میں کوئی اجرت واجب نہ ہوگی نہ اجرت مسمی اور نہ اجرت مثل اگرچہ مستاجر نے فائدہ اٹھالیا ہو (۲)
ایسا عقد لازم ہے اس میں کسی کو یک طرفہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔
نوٹ: حوالجات کتاب میں ''کتاب الھبہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۷): کفالت بالمال کی اقسام واحکام
کفالت
مطلق کفالت
مقید کفالت
مشروط کفالت
منسوب کفالت
جس میں کسی وصف، مدت یا شرط وغیرہ کی قید نہ ہو
جو مدت یا وصف وغیرہ کے ساتھ مقید ہو مثلاً کہا یہ دین میں ایک سال میں ادا کروں گا
جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو
ایسی شرط جو مقتضیٔ عقد کے مناسب ہو جیسے اس مال میں کوئی مستحق نکل آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں
ایسی شرط جو مقتضیٔ عقد کے خلاف ہو جیسے بارش ہوئی یا سورج گہن ہوا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں
حکم
اگر دین موجل ہے تو کفالت میں بھی وہ مدت ملحوظ رہے گی اور اگر فوری ہو تو کفیل کے ذمہ فوراً ادا کرنا ہوگا(۱)
خواہ اصل مدیون کی مدت سے کم مدت بیان کی یا زیادہ یا برابر یہ کفالت بہرصورت درست ہے، پھر اگر زیادہ مدت بیان کی تو ظاہر الروایت میں مدیون کو بھی فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا(۲)
یہ کفالت درست ہے شرط پائے جانے پر کفیل ذمہ دار ہوگا(۳)
ایسی کفالت درست نہیں(۴)
مستقبل کی طرف منسوب کفالت جیسے فلاں نے اگر تمہیں قرض واپس نہیں کیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں یا فلاں کو تم جو کچھ بیچوگے اس کی قیمت میرے ذمہ(۵)
ایسی کفالت درست ہے اگر وہ بات پائی گئی تو کفیل ذمہ دار ہوگا
مجموعی حکم
ان تمام کا مجموعی حکم یہ ہے کہ اگر مدیون کی خواہش پر کفالت قبول کی تھی تو دین کی ادائیگی کے بعد کفیل کو اس سے رجوع کا حق ہوگا اور اگر بطور خود قبول کی تھی تو رجوع کا حق نہ ہوگا(۶)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۸): وکالت کا بیان
توکیل
حقوق اللہ میں
حقوق العباد میں
وہ حقوق جن میں دعوی شرط ہے
وہ حقوق جن میں دعوی شرط نہیں
وہ جو شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں
وہ جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتے
جیسے حد قذف، حد سرقہ
جیسے حد زنا، حد خمر وغیرہ
جیسے قصاص وغیرہ
یعنی مالی حقوق مثلا دین وغیرہ
اس میں وکیل بنانا صحیح ہے کہ وہ موکل کی طرف سے عدالت میں دعوی دائر کرے
ان کے ثبوت کیلئے توکیل جائز نہیں
اس میں توکیل جائز ہے البتہ بوقت قصاص موکل (مقتول کا ولی) کا موجود ہونا ضروری ہے ورنہ وکالت معتبر نہ ہوگی
اس میں توکیل مطلقاً درست ہے پھر اس قسم میں خرید و فروخت سے متعلق توکیل کی دو قسمیں ہیں:
وکالت عامہ
وکالت خاصہ
جس میں وکیل کو یہ اختیار دیا کہ وہ کچھ بھی خریدے یا کوئی معین چیز اپنی مرضی کے موافق خریدے
جس میں مخصوص چیز خریدنے کو کہا اور یہ نہ کہا کہ اپنی مرضی کے موافق خریدو
جہالت کثیرہ ہو: مثلا یہ بھی نہیں کہا کس نوع کا کپڑا ہے سوتی یا ریشمی وغیرہ تو ایسی کفالت درست نہیں
جہالت قلیلہ ہو: یعنی جو مفضی الی المنازعہ نہ ہو مثلا کہا تین ہزار تک کا بکرا خریدو تو یہ کفالت درست ہے
یہ صحیح ہے خواہ اس میں کتنا ہی ابہام ہو (اور تمام امور کا وکیل بنایا تو وہ تبرعات اور طلاق کے علاوہ سب کا وکیل ہے)
نوٹ: حوالجات کتاب میں ''کتاب الوکالت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۹): ہبہ (ہدیہ) کا بیان

نوٹ: حوالجات کتاب میں ''کتاب الھبہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حوالجات شجرات

حوالجات شجره (۳): بیع میں خیارات

(۱-۲) صح شرطه للمتباعين أو لأحدهما...ثلاثة أيام أو أقل وقسد عند اطلاق أوتابيد ...... غير أنه يجوز إن أجاز من له الخيار فى الثلاثة فينقلب صحيحاً على الظاهر (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/۱۰۸تا۱۴۴)

(۳) ثم إن خيار العيب يثبت بلا شرط ولايتوقت (شامى :۸/۱۶۷)

(۴) فمنها ثبوت العيب عند البيع أو بعده قبله التسليم حتى لو حدث بعد ذالك لايثبت الخيار .(بدائع الصنائع : ۴/۵۴۶)

(۵) واختلاف السبب يوجب اختلاف الحكم فكان الموجود فى يد المشترى بعد البلوغ غير الموجود فى يد البائع فكان عيباً حادثاً ويمنع الرد بالعيب (بدائع : ۴/۵۴۷)

(۶) ومنها:جهل المشترى بوجوب العيب عند العقد والقبض. (بدائع: ۴/۵۴۸)

(۷) ومنها عدم اشتراط البراء ت عن العيب فى البيع عندنا حتى لو اشترط فلاخيار للمشترى .(هنديه :۳/۶۷)

(۸) ومنها عدم الرضا بالعيب صريحاً ودلالة وهى أن يتصرف فى المبيع بعد العلم بالعيب تصرفاً يدل على الرضا بالعيب فإن ذالك يمنع ثبوت حق الرد والرجوع جميعاً.(بدائع : ۴/۵۵۷)

(۹) ومنها أن يكون امتناع الرد لامن قبل المشترى فإن كان من قبله لايرجع بالنقصان لأنه يصير حابسا المبيع بفعله ممسكا عن الرد وهذا يوجب بطلان الحق أصلا ورأساً وعلى هذا يخرج ماإذا هلك المبيع.....ثم علم أنه يرجع ...... ولوباعه المشترى أو وهبه ثم علم بالعيب لم يرجع بالنقصان الخ . (بدائع : ٥٦٨/٤)

(۱۰) وإذا حدث عند المشترى عيب وطلع على عيب كان عند البائع فله أن يرجع بالنقصان ولايرد للمبيع...الخ (هدايه :٤١/٣)

(۱۱) ......لامتناع الرد بسبب الزيادة ...... لأن الزيادة ليس بمبيعه فامتنع أصلاً.(هدايه :٤٢/٣)ومتولدة من المبيع كالسمن والجمال وانجلاء البياض وإنها لاتمنع الرد بالعيب فى ظاهر الرواية .(هنديه : ٤٨/٣-٧٧، بدائع: ٥٦٠/٤)

حوالجات شجره (۵): ربا کا بیان

(۱-۲-۳-۴)	فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ وإن عدما حلا وإن احدهما فقط حل التفاضل لاالنسأ.(ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر:٣/ ١٢١ -اللباب فى شرح الكتاب : ٢٢١/١)
(۵)	......والحاصل أن الاختلاف باختلاف الأصل أوالمقصود الخ (الدرالمختار) (باختلاف الأصل).ك ..لحم البقر مع لحم الضأن (أ والمقصود) كشعر المعز وصوف الغنم .(شامى: ٤١٨/٧)
(۶)	......"وعلته القدر" هو القدر المتفق كبيع موزون بموزون أو مكيل بمكيل بخلاف المختلف كبيع مكيل بموزون نسيئة فإنه جائز ......الخ (شامى :٤٠٥/٧)

حوالجات شجرہ (٦): اجارہ کا بیان

(۱-۲) وحكم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالإستعمال ...... بخلاف الثانى وهو الباطل فإنه لاأجر فيه بالإستعمال(الدر المختار على هامش رد المحتار : ٦٢/٩)

حوالجات شجرہ (۷): کفالت بالمال کی اقسام

(۱) فإن كان مطلقاً فلاشك فى جوازه إذا استجمع شرائط الجواز وهى مانذكر إن شاء الله تعالىٰ غير أنه إن كان الدين على الأصيل حالاً كانت الكفالة حالة وإن كان الدين عليه مؤجلاً كانت الكفالة مؤجلة (بدائع : ٦٠١/٤)

(۲) ثم إن كان الدين على الأصيل مؤجلاً إلى أجل مثله يتأجل إليه فى حق الكفيل أيضاً وإن سمى الكفيل أجلاً أزيد من ذالك أو نقص جاز......وإن كان الدين عليه حالاً جاز التأجيل إلى الأجل المذكور ويكون ذالك تأجيلاً فى حقهما جميعاً فى ظاهر الرواية.(بدائع : ٦٠١/٤)

(۳-۴) أو علقت بشرط صحيح ملائم أى موافق للكفالة بأحد أمور ثلاثة: بكونه شرطاً للزوم الحق نحوقوله إن استحق المبيع أو جحدك المودع ......فعلى الدية......أو شرطاً لإمكان الاستيفاء نحو إن قدم زيد فعلىّ ماعليه الدين ......وهو مكفول عنه ......أو شرطاً لتعذره أى الاستيفاء نحو إن كان غاب زيد عن المصر فعلى ، وأمثلته كثيرة، فهذه جملة الشروط اللتى يجوز تعليق الكفالة بها،

ولاتصح إن علقت بغير ملائم نحو إن هبت الريح أو جاء المطرلأنه تعليق بالخطر فتبطل، ولايلزم المال،ومافى الهداية سهو كما حرره ابن كمال(الدر المختار على هامش رد المحتار:۵۸۷/۷)

(۵) والكفالة المضافة إلى وقت فى المستقبل جائزة لتعامل الناس فى ذالك —ولوقال رجل مابايعت فلاناً فهوعلىّ جاز.....الخ (هنديه:۳/ ۲۵۶،بدائع:۶۰۴/۴) —رجل قال لأخر إن لم يعطيك فلان مالك فهو علىّ فتقضاه الطالب فلم يعطه المطلوب لزم الكفيل استحساناً (هنديه :۲۷۵/۳)

(۶) وللطالب مطالبة أى شاء من كفيله وأصيله ...فإن كفل بلاأمره لايرجع عليه بما أدى عنه وإن أجازها المكفول عنه وإن كفل بأمره رجع.(ملتقى الأبحر على المجمع :۱۸۳/۳-۱۸۴)

قال المؤلف عفى الله عنه: قد تم المجلد الثانى بحمد الله تعالیٰ وتوفيقه ويتلوه إن شاء الله تعالیٰ المجلدالثالث وأوله ”كتاب الشهادات“ وصلى الله تعالیٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليماً كثيراً.
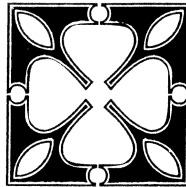
مطابع المراجع

	مراجع	مطابع
۱	سنن ابوداؤد	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
۲	سنن ترمذی	مکتبہ شاملہ (سی ڈی)
۳	مشکوۃ المصابیح	یاسر ندیم دیوبند
۴	ابن ماجہ	یاسر ندیم دیوبند
۵	ہدایہ	یاسر ندیم دیوبند
۶	ردالمحتار (معروف بالشامی)	مکتبہ زکریا دیوبند
۷	الدرالمختار (علی ہامش الشامی)	مکتبہ زکریا دیوبند
۸	تقریرات الرافعی علی الشامی	مکتبہ زکریا دیوبند
۹	التاتارخانیۃ (جدید)	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۰	مجمع الانہر	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
۱۱	ملتقی الابحر	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
۱۲	الدر المنتقی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
۱۳	البحرالرائق	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۴	منحۃ الخالق	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۵	فتاوی ھندیہ (عالم گیری)	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۱۶	فتاوی قاضیخاں علی ہامش الہندیہ	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۱۷	بدائع الصنائع	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۸	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	دارالکتاب العلمیہ بیروت

نمبر	کتاب	مطبع
۱۹	البنایہ فی شرح الہدایہ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰	امداد الفتاویٰ	مکتبہ زکریا دیوبند
۲۱	فتاویٰ دار العلوم	مکتبہ دار العلوم دیوبند
۲۲	فتح القدیر	مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۳	قدوری علی ہامش الجوہرۃ	مکتبہ میر محمد کراچی
۲۴	النتف فی الفتاویٰ	دار الکتاب العلمیہ بیروت
۲۵	الاشباہ والنظائر	دار الکتاب العلمیہ بیروت
۲۶	کفایت المفتی	مکتبہ زکریا دیوبند
۲۷	نظام الفتاویٰ	اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی
۲۸	عنایہ علی ہامش فتح القدیر	مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر
۲۹	نفع المفتی والسائل	مکتبہ رحیمیہ دیوبند
۳۰	الفتاویٰ الکاملۃ	مکتبہ حقانیہ پشاور
۳۱	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	دار الکتاب العلمیہ بیروت
۳۲	فتاویٰ محمودیہ	ادارہ صدیق ڈابھیل
۳۳	فتاویٰ رحیمیہ	دار الاشاعت کراچی
۳۴	جواہر الفقہ	مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند
۳۵	خلاصۃ الفتاویٰ	امجد اکیڈمی لاہور
۳۶	مرقاۃ المفاتیح (شرح مشکوٰۃ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۳۷	اسلام اور جدید معاشی مسائل	فیصل، دیوبند دہلی
۳۸	فقہی مقالات	زمزم بکڈپو دیوبند
۳۹	نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے	ایفا پبلکیشنز دہلی
۴۰	اللباب فی شرح الکتاب	دار الکتاب دیوبند

۴۱	ایضاح النوادر	مکتبہ علمیہ سہارنفور
۴۲	اعلاء السنن	ادارۃ القرآن کراچی
۴۳	الاختیار لتعلیل المختار	مکتبۃ الشاملۃ
۴۴	تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ	مکتبہ میمنہ مصر
۴۵	درر الحکام شرح غرر الاحکام	مکتبہ شاملۃ
۴۶	تبیین الحقائق	مکتبہ شاملۃ
۴۷	درر الحکام فی شرح المجلۃ	مکتبہ شاملۃ
۴۸	بحوث قضایا معاصرۃ	مکتبہ دار العلوم کراچی
۴۹	الجوہرۃ النیرۃ	مکتبہ میر محمد کراچی
۵۰	نظام الفتاویٰ	اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی
۵۱	قاموس الفقہ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۵۲	قواعد الفقہ	دارلکتاب دیوبند
۵۳	احسن الفتاویٰ	دار الاشاعت دیوبند
۵۴	آپ کے مسائل اوران کا حل	دار الکتاب دیوبند
۵۵	تبیین الحقائق	مکتبہ شاملۃ
۵۶	حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار	دار المعرفۃ بیروت
۵۷	المحیط البرہانی	غفاریہ کوئٹہ
۵۸	التعریفات الفقہیۃ علی ہامش قواعد الفقہ	دار الکتاب دیوبند
۵۹	النہر الفائق	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۶۰	الفقہ الاسلامی وادلتہ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ

﴿ایک عظیم تحفہ، ایک محیر العقول کارنامہ﴾

رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ —— حضرت الامام المجدد الشاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ان برگزیدہ علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کی شہرت زمان ومکان کی قیود میں محدود نہیں، وہ اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوئے مگر ان کی شخصیت تمام عالم اسلام کا سرمایہ ہے۔ ان کی کتابیں اور انکے علوم ومعارف اسلامی تاریخ کا انمول خزانہ ہیں۔ حضرت الامام کی بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں لیکن حکمت شرعیہ اور فلسفۂ اسلام پر ان کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' اپنی نظیر آپ ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں اور بعض بازار میں دستیاب بھی ہیں لیکن ان سے کتاب حل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کو جنھوں نے نہایت محنت کے ساتھ اس کتاب کی شرح لکھی۔ شرح سے علماء، طلباء اور پڑھے لکھے لوگ بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ شرح پانچ جلدوں میں اور تین ہزار چھ سو صفحات میں مکمل ہوئی ہے۔ ظاہری طور پر وہ تمام محاسن کتاب میں موجود ہیں جو ہونے چاہئیں، کتابت روشن اور واضح ہے، کمپیوٹر کتابت ہے، مگر جلی خط ہونے کی وجہ سے ضعیف نگاہ والے بھی بآسانی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ کاغذ نہایت اعلی اور قیمتی ہے، طباعت بھی بہت عمدہ ہے، جلد مضبوط، دلکش اور خوب صورت ہے۔ اور قیمت اتنی کم ہے کہ اس ضخامت کی کتاب بازار میں اس قیمت پر دستیاب نہیں۔

نیز حضرت مفتی صاحب نے ایک احسان امت پر یہ بھی کیا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ جو دو جلدوں میں طبع ہو گیا ہے۔

مکتبہ حجاز نزد جامع مسجد دیوبند

فتاوی رحیمیہ کامل

فخرِ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا فتاوی رحیمیہ نہایت مقبول ومعتبر فتاوی کا مجموعہ ہے، جو حضرت مفتی صاحب کی نگرانی میں قسط وار دس جلدوں میں شائع ہوا تھا، اس لیے ایک ہی باب کے مسائل مختلف جلدوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور مطلوبہ مسئلہ تلاش کرنے میں کافی دشواری پیش آتی تھی، اسی دشواری کے پیشِ نظر پاکستان کے بعض ناشرین نے ترتیب جدید سے مزین فرما کر شائع کیا، مگر پاکستانی اشاعت میں کتابت کی تصحیح کا کماحقہ اہتمام نہیں کیا گیا، نیز اہلِ علم کے نزدیک وہ ترتیب پسندیدہ نہیں ہے۔

اب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے نئی ترتیب اور قیمتی حواشی سے مزین فرمایا ہے، اور حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے اس کی تصحیح کا فریضہ انجام دیا ہے، موصوف نے صرف رسمی تصحیح پر اکتفا نہیں کی، بلکہ جہاں شبہ ہوا اصل مراجع سے ملا کر عربی عبارتوں کی تصحیح کی ہے، اور قدیم ایڈیشن کی اغلاط کو درست کیا ہے، فتاوی رحیمیہ کا یہ مجموعہ پانچ ضخیم جلدوں میں ''**مکتبۃ الاحسان دیوبند**'' سے شائع ہو رہا ہے، کتابت وطباعت کا معیار کافی بلند ہے، نیز عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب جلد سے مزین ہے۔ اگر آپ ہر مسئلہ کا مدلل اور مختلف فیہ مسائل کے مفصل اور تشفی بخش جوابات دیکھنا چاہتے ہیں تو فتاوی رحیمیہ کامل کا ضرور مطالعہ کریں۔

تین نادر تحفے

تحفة الالمعی شرح سنن الترمذی

یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، اور ساتھ میں جلد ثانی اور شمائل ترمذی کی شرح ہے۔ مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

ہادیہ شرح کافیہ

کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متنِ متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو طریقۂ تدریس نے مشکل بنادیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر ایک کام: یہ کیا ہے کہ کافیہ کو مفصل و مرقم کردیا ہے۔ اس کے ہر مسئلہ اور ہر قاعدہ کو علحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے اور شروع میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے ''مشقی سوالات'' دیئے گئے ہیں۔

الوافية بمقاصد الكافية

حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ نے کافیہ کی جو تفصیل و ترقیم کی ہے اور بنام ہادیہ جو اردو شرح لکھی ہے اس کو درس میں سامنے رکھنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے موصوف نے اس پر الوافیہ عربی حاشیہ لکھا ہے، تاکہ درس میں اس کو سامنے رکھا جاسکے۔ یہ عربی حاشیہ بھی کتاب کو کماحقہ حل کرتا ہے اور نہایت آسان عربی میں لکھا گیا ہے۔ اربابِ مدارس اس کو ضرور حاصل فرمائیں۔